﴿يَهْدِىْ إِلَى الْحَقِّ وَإِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾

ہادیہ

شرح

کافیہ

شارح

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری

استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

ناشر

مکتبہ حجاز دیوبند

نام کتاب	:	ہادیہ شرح کافیہ
تالیف	:	حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری
		استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند
کمپیوٹر کتابت	:	روشن کمپیوٹر محلّہ اندرون کوٹلہ دیوبند (222086)
اشاعت اول	:	رجب المرجب سنہ ۱۴۲۷ ہجری
ناشر	:	مکتبہ حجاز نزد جامع مسجد دیوبند (09358914948)
مطبوعہ	:	ایچ، ایس، آفسیٹ پرنٹرز، دریا گنج، نئی دہلی

Ph.No. 23244240

ملنے کے پتے

مکتبہ حجاز نزد جامع مسجد دیوبند

الامین کتابستان مدنی منزل دیوبند

فہرست مضامین

بحث اسم

مرفوعات کا بیان

منصوبات کا بیان

مجرورات کا بیان

توابع کا بیان

مبنیات کا بیان

بحث فعل

بحث حرف ۳۰۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چند باتیں

کافیہ: علم نحو کا مشہور و مقبول متن ہے۔ اس کی عبارت آسان اور سلیس ہے۔ اس میں فن نحو کے تمام ضروری مسائل سمو لئے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ کہنے والے نے کہا ہے: ''کافیہ کافی است باقی دردِ سر!'' یعنی اس میں فن کے تمام ضروری مسائل آ گئے ہیں، اس سے زائد کی چنداں ضرورت نہیں۔

مگر اس آسان متن کو طریقۂ تدریس نے مشکل بنا دیا ہے۔ کافیہ: صرف مسائل کی کتاب ہے، جیسے ''قدوری'' صرف مسائل کی کتاب ہے، دلائل کے لئے ہدایہ ہے، اسی طرح یہاں بھی دلائل کے لئے شرح جامی ہے۔ مگر اساتذہ کافیہ میں صرف مسائل پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ دلائل، حقائق، دقائق اور نکات تک بیان کرتے ہیں۔ ظاہر ہے جو بچہ نفس مسئلہ ہی نہیں سمجھا وہ دوسری باتوں کا تحمل کیسے کر سکتا ہے۔ پھر کتاب اس انداز سے چھپی ہوئی ہے کہ اس میں ''معالِم طریق'' نہیں۔ ایک جنگل ہے۔ کچھ پتہ نہیں چلتا کہ بات کہاں سے شروع ہوئی اور کہاں ختم ہوئی۔

کافیہ کی اصل زمخشری رحمہ اللہ کی ''مفصل'' ہے، اسی کو ابن حاجب رحمہ اللہ نے مرتب کیا ہے۔ مفصل میں کوئی خاص ترتیب نہیں۔ علمِ صرف کے مسائل بھی اس میں شامل ہیں اور امثلہ میں تو ایسے اشعار پیش کئے ہیں جن کو حل کرنا کارے دارد! عرب طلباء تو اس سے استفادہ کر سکتے ہیں مگر عجمی طلباء کے بس کی وہ کتاب نہیں۔ اللہ تعالیٰ ابن حاجب رحمہ اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائیں کہ انھوں نے مفصل کو مرتب کر دیا،

ضروری مثالیں باقی رکھیں، باقی مثالیں حذف کردیں، صرف کے مسائل کو چھوڑ دیا اور جو مسائل تشنہ تھے ان کی تکمیل کی اور اس طرح ایک نہایت آسان متن تیار کردیا۔

امسال میرے دو لڑکے مجھ سے کافیہ پڑھ رہے ہیں: ایک مولوی احمد سعید پالن پوری ہیں۔ یہ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہیں اور جامعۃ الشیخ میں مدرس ہیں۔ دوسرے: عبداللہ سعید پالن پوری ہیں جو عربی سوم کے طالب علم ہیں۔ اول کے لئے تو کافیہ مشکل نہیں مگر دوم کے لئے سنگ گراں تھی۔ میں نے اس کی ضرورت کے لئے پہلے کتاب کو مفصل ومرقّم کیا۔ عنوانات بڑھائے۔ پیرے قائم کئے اور مسائل وقواعد کو جدا جدا کیا۔ میں نے کتاب میں نہ ایک حرف بڑھایا ہے نہ گھٹایا ہے، جو کچھ بڑھایا ہے وہ ایسی دو کھڑی قوسوں [ ] کے درمیان ہے۔ اس سے کتاب نہایت آسان ہوگئی۔

پھر میں نے اردو شرحوں پر نظر ڈالی تو ان میں بھی وہ سب مضامین پائے جو کافیہ میں غیر ضروری ہیں۔ اس لئے میں نے مناسب خیال کیا کہ اس کی شرح بھی لکھ دوں۔ اور اس میں صرف مسائل کا تذکرہ کروں۔ نفس کتاب سمجھاؤں اور غیر ضروری دلائل سے تعرض نہ کروں۔

اب یہ شرح آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ میرا کافیہ پڑھانے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ایک طالب علم مسئلہ پڑھتا ہے۔ اس کی عبارت صحیح کرلیتا ہے۔ پھر سب طلباء مل کر اس عبارت کو تین مرتبہ پڑھتے ہیں، پھر میں اس مسئلہ کی تشریح کرتا ہوں اور طلبہ سے اپنی بات دہرواتا ہوں۔ جب مسئلہ سب کے ذہن نشین ہوجاتا ہے تو ترجمہ کراتا ہوں۔ پھر سب طلبہ اس عبارت کو تین مرتبہ صاف بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔ اس سے عبارت رواں ہوجاتی ہے اور جو طالب علم اسکو حفظ کرنا چاہتا ہے اس کے لئے آسانی ہوجاتی ہے۔

پہلے لوگ کافیہ حفظ کرتے تھے، میرے استاذ حضرت مولانا محمد صدیق صاحب جموی قدس سرہ (امام النحو والمنطق) استاذ مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور نے کافیہ حفظ کی

تھی۔اورفرمایا کرتے تھے کہ میں روزانہ سونے سے پہلے پوری کافیہ پڑھ کرسوتا تھا۔
یہ مختصر متن ہے ایک گھنٹہ میں آسانی سے پڑھا جاسکتا ہے۔

غرض کتاب کو سمجھنا اور اس کے مضامین کو یاد کرنا ضروری ہے۔اگر سمجھا نہیں تو طوطے کی طرح رٹنے سے کیا فائدہ اور سمجھ گیا مگر یاد نہیں کیا تو وہ نقش برآب ہوکر رہ جائے گا۔اس لئے میں نے کتاب یاد کرنے کے لئے ہر بحث کے بعد ''مشقی سوالات'' بڑھائے ہیں، اس میں کافیہ کے تمام مسائل کا احاطہ کیا ہے۔اساتذہ ان مشقی سوالات کی مدد سے بار بار کتاب یاد کرائیں اور تعریفات اور ضروری قواعد کی عربی عبارتیں حفظ کرائیں، اور ہر مسئلہ مثال کے ساتھ یاد کرائیں۔کتاب میں جو مثالیں نہیں تھیں وہ شرح میں بڑھائی گئی ہیں، کوئی مسئلہ بے مثال نہیں رہنے دیا۔اس سے کتاب بہت آسان ہوگئی ہے۔اگر طلبہ نے کافیہ سمجھ لی اور اس کو خوب یاد کرلیا تو مجھے امید ہے کہ ان کو بے حد نفع ہوگا اور ان کا کافیہ پڑھنے کا مقصد پورا ہوگا۔اللہ تعالیٰ طلباء کی دستگیری فرمائیں اور ان کے لئے منزل یابی کی راہ آسان فرمائیں (آمین)

البتہ تین باتیں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ان کے بغیر منزل تک رسائی مشکل ہے:

پہلی بات: طلبہ کی استعداد کتاب اور درجہ کے مطابق ہونی چاہئے۔اگر ان کی استعداد فروتر ہوگی تو ان میں تخم عمل ضائع ہوگا۔بیچارہ محنت کر کے تھک جائے گا اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔آج کل اہل مدارس طلبہ پر ظلم کرتے ہیں کہ وہ جو درجہ مانگتا ہے دیدیتے ہیں وہ اس کو حسن سلوک سمجھتے ہیں۔حالانکہ یہ طالب علم کی زندگی کو تباہ کرنا ہے۔طلبہ کو خود بھی چاہئے کہ معرفت خودی سے کام لیں۔جلدی آگے بڑھنے کی کوشش نہ کریں۔ بلکہ استعداد کے مطابق چلیں تو کامیاب ہونگے، ورنہ ضیاع وقت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

دوسری بات: استاذ کتاب پر قابو یافتہ ہونا چاہئے، اگر خود استاذ کو کتاب یاد نہیں تو اس کا طالب علم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔فن کی مہارت الگ چیز ہے یہ ہر ایک کے

بس کی بات نہیں۔ امام النحو تو صدیوں میں کوئی پیدا ہوتا ہے، مگر زیرِ درس کتاب پر حاوی ہونا ہر مدرس کے لئے ضروری ہے، اس کے بغیر کوئی مدرس کامیاب درس نہیں دے سکتا۔ جب استاذ کو کتاب یاد ہوگی تو وہ کسی بھی وقت کوئی بھی مسئلہ دریافت کرسکتا ہے۔ اور استاذ کو چونکہ ہر سال یا کئی سال تک کتاب پڑھانی ہوتی ہے اس لئے اس کے لئے یہ بات کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ مگر آج کل اساتذہ سہل انگاری سے کام لیتے ہیں۔ مطالعہ کرکے پڑھا دیتے ہیں پھر خود ہی بھول جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں وہ طلبہ کو بالیاقت نہیں بنا سکتے۔ اس لئے اس طرف خصوصی توجہ ضروری ہے۔

تیسری بات: طالب علم کی محنت درکار ہے۔ محنت کے بغیر کوئی کمال حاصل نہیں ہوسکتا۔ اگر استاذ کے بس کی بات ہوتی تو وہ ہر شاگرد کو باکمال بنا دیتا، کسی کو کم تر نہ رہنے دیتا۔ مگر یہ بات طالب علم کی محنت پر موقوف ہے اور محنت تین باتوں کا نام ہے: خواندہ یاد کرنا، آگے مطالعہ کرکے سبق میں جانا اور سبق میں بات سمجھنے کی اور کتاب حل کرنے کی پوری کوشش کرنا۔ اگر ان تین باتوں کی طالب علم گارنٹی دیدیتے تو میں اس کو علم کی ضمانت دیتا ہوں۔ وہ ضرور عالم ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو علم سے حظّ وافر عنایت فرمائیں گے۔

اس سلسلہ میں ایک بات یہ بھی یاد رکھنی چاہئے کہ اب کافیہ اتنی آسان ہوگئی ہے کہ درجاتِ عالیہ کے طلبہ از خود بھی اس کو حل کرسکتے ہیں اور یاد کرسکتے ہیں۔ وہ بے اندازہ نہ چلیں۔ مطالعہ کی ایک مقدار متعین کرلیں اور شرح کی مدد سے اس کو حل کرلیں پھر اس کو یاد کریں۔ متعلقہ متن بھی یاد کرلیں تو نورٌ علی نور اور خیرٌ علی خیر۔ وہ ایک سال میں پوری کافیہ پر قابو پاسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نونہالوں کو ہمت مردانہ عطا فرمائیں اور ان کو دین سیکھنے کے لئے مر مٹنے کا حوصلہ عطا فرمائیں اور ان کو کامیابی سے ہم کنار فرمائیں (آمین)

کتبہٗ

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری

خادم دارالعلوم دیوبند -۷/رجب ۱۴۲۷ھ

اربابِ مدارس سے دو گذارشیں

پہلی گذارش: الکافیۃُ فی النحو: یعنی وہ کتاب جو علم نحو میں کافی وافی ہے۔ یہ ایک اسم با مسمی متن ہے۔ اگر طالب علم یہ کتاب محفوظ کرلے تو بیڑا پار ہے، عربی زبان کے لئے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں، بلکہ کافیہ کے بعض مسائل بھی ضرورت سے زائد ہیں۔ مگر مدارس عربیہ میں اس کو پڑھانے کا طریقہ صحیح نہیں۔ رائج طریقہ خراسان اور افغانستان کے علماء نے چلایا ہے۔ انھوں نے ''تحریر سنبٹ'' جیسی کتابیں لکھیں اور ان کی روشنی میں کافیہ پڑھانے کا طریقہ چل پڑا۔ سوال وجواب، حقائق ودقائق اور نکات بیان کرنے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اور اصل مسائل ذہن سے اوجھل ہوگئے۔ ضرورت ہے کہ کافیہ کا طریقۂ درس بدلا جائے۔ کافیہ میں صرف مسائل فہمی کی جائے اور ان کو خوب یاد کرایا جائے، متعلقہ عبارتیں بھی حفظ کرادی جائیں تو استعداد میں چار چاند لگ جائیں گے۔

اساتذہ تمرین کے لئے مثالیں بڑھائیں اس شرح میں ہر بحث کے بعد ''مشقی سوالات'' دیئے گئے ہیں۔ ان میں پوری کتاب کا احاطہ کرلیا ہے۔ ان کے جوابات کما حقہ یاد کرادیئے جائیں تو پوری کتاب قابو میں آجائے گی ——— اور ممتحن حضرات بھی اسی کی روشنی میں امتحان لیں۔ حقائق ودقائق اور دلائل ونکات دریافت نہ کریں۔ ان کا محل آگے ''شرح جامی'' ہے۔ اگر کتاب اس طرح پڑھائی جائے گی تو امید ہے کہ طلبہ کو زیادہ فائدہ ہوگا۔

دوسری گذارش: علم صرف: علم نحو سے زیادہ مشکل ہے۔ مگر اس کی تعلیم کا

طریقہ بھی عربی مدارس میں صحیح نہیں۔ ہم عربی کا علم صرف اردو اور فارسی کتابوں کے ذریعہ پڑھاتے ہیں۔ عربی علم صرف کی کوئی کتاب ہمارے نصاب میں شامل نہیں۔ نصاب کی آخری کتابیں علم الصیغہ اور فصول اکبری ہیں۔ پہلے مراح الارواح، جار بردی اور شافیہ پڑھاتے تھے۔ اب سب کو رخصت کر دیا گیا ہے۔ پھر صرف کی تعلیم عربی دوم وسوم میں ختم کر دی جاتی ہے، جبکہ ابھی بچے کا شعور بالغ نہیں ہوتا۔ اس لئے اس طرف بھی توجہ مبذول کرنے کی ضرورت ہے کہ نصاب میں علم صرف کی عربی کتابیں شامل کی جائیں۔ زرّادی، شذا العرف فی فن الصرف، مراح الارواح، جار بردی اور شافیہ فن صرف کی بہترین کتابیں ہیں۔ ان میں سے بعض کتابیں ضرور شامل نصاب کی جائیں، تا کہ خاطر خواہ فائدہ حاصل ہو۔ واللہ الموفّق!

علم صرف: تین باتوں کا مجموعہ ہے۔ تصریفات، خاصیات اور تعلیلات۔ ہمارے طلبہ صرف صحیح کی گردان سے واقف ہوتے ہیں۔ ہفت اقسام کی تصریفات کا مضبوط علم نہیں رکھتے۔ حروف علت: بڑے خطرناک ہیں۔ وہ جس لفظ میں آجاتے ہیں اس کو بیمار کر دیتے ہیں۔ اس کی تیمارداری (تعلیل) بہت ضروری ہے۔ نیز خاصیات کے علم کے بغیر ابواب کا علم ادھورا ہے۔ وہ خاطر خواہ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اور یہ باتیں بے شعوری کے زمانہ میں قابو میں نہیں آتیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ اساتذہ اور اربابِ مدارس اس طرح خصوصی توجہ مبذول فرمائیں تا کہ ہمارے نونہالوں کی عربی استعداد پختہ ہو اور وہ علوم شرعیہ سے کما حقہ بہرہ ور ہوں۔ واللہ الهادی إلی سواء الطریق!

تذکرہ علامہ ابن حاجب رحمہ اللہ

کافیہ کے مصنف کا نام علامہ ابن حاجب رحمہ اللہ ہے۔ آپ ساتویں صدی کے جلیل القدر نحوی صرفی اصولی اور مالکی فقیہ ہیں۔ آپ کا لقب جمال الدین، کنیت ابو عمر و اور ابن الحاجب ہے۔ آپ کے والد دربان تھے اس لئے آپ اس کنیت سے مشہور ہوئے۔ آپ کا نام عثمان اور والد کا نام عمر تھا۔ سن ۵۷۰ھ مطابق ۱۱۷۴ء میں مصر کے گاؤں ''اسنا'' میں آپ کی ولادت ہوئی۔ قاہرہ میں نشو ونما پائی، دمشق میں بود وباش اختیار کی اور سن ۶۴۶ھ مطابق ۱۴۲۹ء میں شہر اسکندریہ میں آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کردی النسل تھے۔ آپ نے بہت سی قیمتی کتابیں لکھی ہیں۔ چند یہ ہیں: (۱) الكافية فی النحو (۲) الشافيةُ فی الصرف (۳) منتهى السُّوْلِ والأمل فی عِلْمَيِ الأصول والجدل (۴) مختصر السُّوْلِ والأمل (اس کی بہت سے علماء نے شرحیں لکھی ہیں) یہ سب کتابیں مطبوعہ ہیں (۵) مختصر الفقه (فقہ مالکی) اس کو جامع الأمهات بھی کہتے ہیں۔ (۶) المقصد الجليل: یہ علم عروض میں ایک قصیدہ ہے (۷) الأمالی النحوية (۸) الإيضاح: یہ علامہ زمخشری رحمہ اللہ کی مفصّل کی شرح ہے۔ یہ کتابیں ابھی طبع نہیں ہوئیں۔ ان کے مخطوطے موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ابن حاجب رحمہ اللہ کی قبر کو نور سے بھرے اور ان کو امت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے کہ وہ امت کے لئے بڑا کام انجام دے گئے!

وہ نحات جن کا کتاب میں ذکر آیا ہے

۱- ابوعمرو بن العلاء (ولادت ۷۰ھ وفات ۱۵۴ھ)

ابوعمرو زَبّان بن عمار تمیمی مازنی بصری: مکہ مکرمہ میں ولادت ہوئی۔ بصرہ میں نشو ونما پائی۔ اور کوفہ میں انتقال کیا۔ جاہلیت کے لوگوں سے علوم عربیہ حاصل کئے۔ قراء سبعہ میں آپ کا شمار ہے۔

۲- خلیل بن احمد (ولادت ۱۰۰ھ وفات ۱۷۰ھ)

ابوعبد الرحمٰن خلیل بن احمد فراہیدی، ازدی، یحمدی۔ علم عروض کے واضع اور سبیویہ کے استاذ ہیں۔ بصرہ میں ولادت ووفات ہوئی۔ انتہائی غربت کی زندگی بسر کی۔ فراہید اور یحمد: قبیلہ ازد کی شاخیں ہیں۔ کتاب العین آپ کی مشہور کتاب ہے۔ عوام کے لئے حساب کا آسان طریقہ سوچتے ہوئے مسجد میں داخل ہوئے اور ایک ستون سے ٹکرا گئے جو موت کا سبب بن گیا۔

۳- سیبویہ (ولادت ۱۴۸ھ وفات ۱۸۰ھ کل عمر ۳۲ سال)

ابوبشر عمرو بن عثمان۔ لقب سِیْبَوَیْہِ (رائحۃ التفّاح) نحو کے مشہور امام ہیں۔ علم نحو کو آپ ہی نے مبسوط و مفصل کیا ہے۔ شیراز کے کسی گاؤں میں ولادت ہوئی۔ پھر بصرہ آئے اور خلیل نحوی کی شاگردی اختیار کی اور ان سے نمبر لے گئے۔ پھر بغداد چلے گئے۔ وہاں کسائی سے مناظرہ کیا۔ ہارون رشید نے آپ کو دس ہزار درہم انعام دیا ہے۔ پھر وہاں سے اہواز آ گئے اور وہاں انتقال ہوا۔ ایک قول یہ ہے کہ شیراز میں

آپ کی وفات ہوئی۔آپ کی بے نظیر کتاب: کتابُ سیبویہ مطبوعہ ہے۔

۴-کِسَائی (وفات ۱۸۹ھ بعمر ۷۰ سال)

علی بن حمزہ ابوالحسن کسائی کوفی۔کوفہ کے کسی گاؤں میں ولادت ہوئی۔ بڑی عمر میں نحو پڑھی، پھر بغداد میں بود وباش اختیار کی اور ریّ میں انتقال فرمایا۔آپ کا اور امام محمد رحمہما اللہ کا انتقال ایک ہی دن میں ہوا ہے۔آپ ہارون رشید اور اس کے بیٹے امین کے مؤدب رہے ہیں۔

۶-اَخفش (اوسط) (وفات ۲۱۵ھ)

ابوالحسن سعید بن مسعدۃ بصری بلخی۔اخفشِ اوسط سے شہرت پائی۔علوم عربیہ سیبویہ سے حاصل کئے۔علم عروض میں ایک بحر (الخَبَبْ) کا اضافہ کیا۔خلیل رحمہ اللہ نے پندرہ بحریں نکالیں تھیں اب سولہ بحریں ہوگئیں۔

۶-مبَرّد (ولادت ۲۱۰ھ وفات ۲۸۶ھ)

ابوالعباس محمد بن یزید ثُمالی ازدی۔اپنے زمانہ میں بغداد میں عربیت کے امام تھے۔ بصرہ میں ولادت ہوئی اور بغداد میں وفات پائی۔الکامل: آپ کی مشہور کتاب ہے۔مبرد (راء مشدّدہ مفتوحہ) کے ساتھ ہے۔بعض لوگ مکسور کہتے ہیں۔

۷-فرّاء (ولادت ۱۴۴ھ وفات ۲۰۷ھ)

ابوزکریا یحییٰ بن زیاد دیلمی۔شہرت فراء (پوستین ساز) سے ہے۔نحات کوفہ کے امام ہیں۔کوفہ میں ولادت ہوئی پھر بغداد چلے گئے۔ مامون نے اپنے بیٹوں کی تعلیم وتربیت آپ سے متعلق کی تھی۔آپ نحو کے علاوہ فقہ وکلام میں بھی ید طولی رکھتے تھے، مگر اعتزال کی طرف مائل تھے۔معانی القرآن آپ کی مطبوعہ کتاب ہے۔آپ کی شہرت اگرچہ فراء سے ہے، مگر آپ نے یہ پیشہ نہیں کیا، بل کان یَفْرِی الکلامَ: آپ سخن سازی کرتے تھے اس لئے یہ لقب ہوگیا۔آپ کا جب انتقال ہوا تو تکیہ کے نیچے سے کتاب سیبویہ نکلی تھی۔

۸-مازنی (وفات ۲۴۹ھ)

بکر بن محمد بن حبیب ابوعثمان مازنی (قبیلۂ مازن کے تھے) اہل بصرہ میں آپ کا شمار ہے اور بصرہ ہی میں آپ کی وفات ہوئی ہے۔

۹-ابن کیسان (وفات ۲۹۹ھ)

ابوالحسن محمد بن احمد۔ ابن کیسان سے معروف ہیں۔ نحو و لغت کے امام اور بغداد کے باشندے تھے۔ آپ نے مبرد اور ثعلب سے پڑھا ہے۔ آپ کی ایک کتاب تلقیب القوافی مطبوعہ ہے۔

۱۰-یونس (ولادت ۹۴ھ وفات ۱۸۲ھ)

یونس بن حبیب ابوعبدالرحمٰن ضبّی۔ یونس نحوی سے مشہور ہیں۔ اپنے زمانہ میں بصرہ کے نحات کے امام تھے۔ سیبویہ، کسائی اور فراء وغیرہ نے آپ سے پڑھا ہے۔ اور سیبویہ اپنی کتاب میں بکثرت آپ کی باتیں نقل کرتے ہیں۔ معانی القرآن آپ کی تصنیف ہے۔

نوٹ: کتاب میں ایک جگہ صرف أبو العباس آیا ہے یہ مبرد کی کنیت ہے۔

فائدہ: دوسری اور تیسری صدی میں جس طرح فقہ میں دو مکتب فکر وجود میں آئے تھے یعنی اصحاب الحدیث (اہلِ حجاز) اور اصحاب الرائے (اہلِ عراق) جو آگے چل کر چار فقہی مذاہب بنے، اسی طرح اس زمانہ میں علم نحو و صرف (یہ دونوں علم پہلے ایک تھے) میں بھی دو مکتب فکر پیدا ہوئے تھے یعنی بصری اور کوفی۔ بعض مسائل میں دونوں کی رائیں مختلف تھیں۔ کافیہ میں جگہ جگہ اس کا تذکرہ آیا ہے۔ بعد میں یہ اختلاف صرف کتابوں میں باقی رہا، ان کا وجود خارجی باقی نہیں رہا۔

بسم الله الرحمن الرحيم (١)

[المبادئ (٢)]

الكلمةُ: لفظٌ وُضِعَ لِمَعْنٰى مُفْرَدٍ(٣).

وهى: اسم، وفعل، وحرف(٤).

[وجهُ الحَصْر] لأنها:إما أن تَدُلَّ على معنىً فى نَفْسِهَا أولا؟ الثانى: الحرف.

والأول: إما أن يقترن بأحد الأَزْمِنَةِ الثلاثة أولا؟ الثانى: الاسم، والأول: الفعل.

وقد عُلِمَ بذلك حَدُّ كلِّ واحد منها (٥).

الكلام: ما تَضَمَّنَ كلمتين بالإسناد(٦).

ولا يَتَأَتّٰى ذلك إلا فى اسمَيْنِ، أو اسمٍ وفعلٍ(٧).

(١) مصنف رحمہ اللہ نے صرف بسم اللہ سے کتاب شروع کی ہے۔اس میں حمد بھی شامل ہے اور تسمیہ بھی۔اور درود شریف سے کوئی کام شروع کرنے کا حکم نہیں۔ قرآن کریم کی پہلی وحی ﴿ إِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ﴾ سے شروع ہوئی ہے قرآن پاک بسم الله الرحمن الرحیم سے شروع ہوا ہے۔ نبی ﷺ کے مکاتیب ومعاہدات صرف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع ہوئے ہیں۔ چنانچہ متقدمین بھی اپنی کتابیں صرف بسم اللہ سے شروع کرتے تھے۔ بعد میں حمد وصلاۃ وغیرہ کا اضافہ ہوا۔ چونکہ کافیہ متن ہے، اس لئے اختصار کے پیش نظر صرف بسم اللہ

سے کتاب شروع کی ہے۔

فائدہ: اور حدیث میں جو آیا ہے کہ ''جو بھی اہم کام اللہ کے نام سے شروع نہ کیا جائے وہ بے برکت ہے'' اور دوسری حدیث میں ہے کہ ''اللہ کی تعریف سے نہ شروع کیا جائے'' اور تیسری حدیث میں ہے کہ ''اللہ کے ذکر سے نہ شروع کیا جائے'' یہ تین حدیثیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی حدیث ہے۔ مختلف طرق سے مختلف الفاظ آئے ہیں۔ پس بسم اللہ سے کتاب شروع کرنے سے تینوں حدیثوں پر عمل ہو گیا (فیض الباری ۱:۱) اور شرح تہذیب میں جو تطبیق دی ہے اس کی حاجت نہیں۔

(۲) المبادئُ: المَبْدَأُ کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں: سرچشمہ، بنیاد، قاعدہ اور اصول۔ یہاں یہ لفظ ''ابتدائی باتوں'' کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

(۳) کلمہ کی تعریف: کلمہ: منہ سے بولی ہوئی وہ بات ہے جو کسی ایک (تنہا) معنی کے لئے وضع کی گئی ہو۔ یعنی لفظ کے ٹکڑے کرنے سے وہ معنی سمجھ میں نہ آئیں جو پہلے سمجھ میں آتے تھے۔ جیسے قلم، کُرَّاسَةٌ، اور عبد اللّٰہ: نام ہونے کی حالت میں۔

ترکیب: الکلمةُ: مبتدا، **لفظٌ:** خبر موصوف، **وُضع:** جملہ فعلیہ صفت، **ل:** حرف جر، **وُضع:** سے متعلق، **معنیً:** مجرور موصوف، **مفردٍ:** صفت۔

تشریح: علامہ زمخشری کے نزدیک: کلمہ ہونے کے لئے لفظ بھی ایک ہونا ضروری ہے، اور جب لفظ ایک ہوگا تو معنی لامحالہ ایک ہونگے۔ اور اگر لفظ متعدد ہیں اور معنی ایک ہیں تو وہ کلمہ نہیں، جیسے عبد اللہ نام ہونے کی حالت میں ان کے نزدیک کلمہ نہیں، کیونکہ وہ دو لفظ ہیں، اگرچہ اس کے معنی ایک ہیں —— اور مصنف کے نزدیک: لفظ ایک ہونا ضروری نہیں، صرف معنی مفرد (ایک) ہونے ضروری ہیں۔ پس عبد اللہ: نام ہونے کی حالت میں کلمہ ہے۔

(۴) کلمہ کی تین قسمیں ہیں: اسم، فعل اور حرف۔ (وجہ حصر) اس لئے کہ کلمہ دو حال سے خالی نہیں: یا تو خود اس کلمہ سے اس کے اپنے معنی سمجھ میں آتے ہونگے یا نہیں؟ اگر

سمجھ میں نہیں آتے تو وہ ''حرف'' ہے۔اور اگر سمجھ میں آتے ہیں: تو پھر دو حال سے خالی نہیں: یا تو اس کلمہ کی ہیئت سے تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ سمجھ میں آتا ہوگا یا نہیں؟ اگر کوئی زمانہ سمجھ میں نہیں آتا تو وہ ''اسم'' ہے اور سمجھ میں آتا ہے تو وہ ''فعل'' ہے۔

مثالیں: ''سے'' اور ''پر'' سے کوئی خاص بات سمجھ میں نہیں آتی، اس لئے یہ حرف ہیں۔اور ''گھوڑا'' اور ''کتاب'' سے چیزیں سمجھ میں آتی ہیں اور کوئی زمانہ مفہوم نہیں ہوتا اس لئے یہ اسم ہیں۔اور ''کھایا'' یا ''کھاتا ہے'' اور ''کھائے گا'' سے بات بھی سمجھ میں آتی ہے اور زمانہ بھی اس لئے یہ فعل ہیں۔

ترجمہ: اس لئے کہ کلمہ: یا تو دلالت کرتا ہوگا کسی ایسے معنی پر جو اس کی ذات میں ہیں یعنی جو اس کے اپنے معنی ہیں یا دلالت نہیں کرتا ہوگا؟ ثانی حرف ہے اور اول: یا تو تین زمانوں (ماضی، حال، اور استقبال) میں سے کسی ایک زمانہ کے ساتھ ملا ہوا ہوگا، یعنی وہ زمانہ کلمہ کی ہیئت سے سمجھ میں آتا ہوگا یا نہیں؟ ثانی اسم ہے اور اول فعل۔

(۵) مذکورہ وجہِ حصر سے کلمہ کی تینوں قسموں کی تعریف سمجھ میں آجاتی ہے اور آگے ہر بحث کے شروع میں بھی تعریف آرہی ہے۔ بحث اسم کے شروع میں اسم کی تعریف، بحث فعل کے شروع میں فعل کی تعریف، اور بحث حرف کے شروع میں حرف کی تعریف آئے گی۔

(۶) کلام کی تعریف: کلام: منہ سے بولی ہوئی وہ بات ہے جس میں کم از کم دو کلمے ہوں اور ان کے درمیان کوئی اسناد (تعلق) بھی ہو، جیسے نئی کتاب، احمد کی ٹوپی، زید کھڑا ہے: یہ سب کلام ہیں۔عربی مثالیں: كتاب جديد، قام زيد اور قُمْ ہیں۔قُمْ میں ضمیر أنت پوشیدہ ہے اس لئے یہ بھی دو کلمے ہیں۔

ترجمہ: کلام: وہ (منہ سے بولی ہوئی بات) ہے جو اسناد کے ساتھ دو کلموں پر مشتمل ہو۔

اسناد: نحوی اصطلاح میں: ایک لفظ کا دوسرے لفظ سے ایسا تعلق ہے جو مکمل ومفید معنی پیدا کرے، جیسے مبتدا کا تعلق خبر کے ساتھ، یا فعل کا تعلق فاعل کے ساتھ یا اضافت یا توصیف کا تعلق (یہ آخری دو تعلق ناقص ہیں، اس لئے اسناد ناقص ہوگی)

(۷) کلام کے تحقّق کے لئے دو اسموں کا یا ایک اسم اور ایک فعل کا ہونا ضروری ہے۔ جیسے: ثوب جديدٌ اور قام زيدٌ دو فعلوں سے یا دو حرفوں سے یا ایک اسم اور ایک حرف سے یا ایک فعل اور ایک حرف سے کلام وجود میں نہیں آتا۔ تَأَتّٰی يَتَأَتّٰى تَأَتِّيًا: کے معنی ہیں: حاصل ہونا۔ ترجمہ: اور نہیں حاصل ہوتا یعنی نہیں پایا جاتا کلام مگر دو اسموں میں یا ایک اسم اور ایک فعل میں۔

[بَحْثُ الاسم]

الاسم: مادَلَّ على معنىً فى نفسه، غيرِ مُقْتَرِنٍ بِأَحد الأزمنة الثلاثة[1]

ومن خَوَاصِّهِ: دخولُ اللامِ، والجَرِّ، والتنوينُ، والإسنادُ إليه، والإضافة[2].

وهو: معربٌ ومبنى[3].

فالمعرب: المركب الذى لم يُشْبِهْ مَبْنِيَّ الأصل.

وحكمه: أن يختلف آخِرُه باختلاف العوامِل: لفظاً أو تقديراً.

الأعراب: ما اختلف آخِرُه به، ليدُلَّ على المَعَانِى المُعْتَوِرَةِ عليه[4].

وأنواعه: رفعٌ، ونصبٌ، وجَرٌّ.

فالرفعُ: عَلَمُ الفاعلية.

والنصَبُ: عَلَمُ المفعولية.

والجر: عَلَمُ الإضافة.

العامل: ما به يَتَقَوَّمُ المعنى المقتضِى للإعراب.[5]

بحث اسم

(۱) اسم کی تعریف: اسم: وہ کلمہ ہے جو کسی ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کی ذات میں ہوں، جو تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ کے ساتھ ملنے والے نہ ہوں۔

فی نفسه أی فی حدِّ ذاتِه: یعنی وہ معنی خود لفظ کے اندر ہوں............ غیرِ: معنی کی صفت ہے۔

(۲) اسم کی چند خصوصیات (علامات) ہیں: (۱) معرّف باللام ہونا، جیسے: الحمد (۲) اس کے آخر میں جر کا آنا، جیسے: فی الدار (۳) اس پر تنوین کا آنا، جیسے: رجلٌ (۴) اس کی طرف کوئی چیز منسوب کرنا، جیسے: نام أحمدُ: احمد کی طرف سونا منسوب کیا پس أحمد اسم ہے (۵) اس کی طرف کسی چیز کی اضافت کرنا، جیسے: قلمُ قاسمٍ: اس میں قاسم کی طرف قلم کی اضافت کی ہے اس لئے قاسم اسم ہے اور قلم کو بھی منسوب کیا ہے اس لئے وہ بھی اسم ہے۔

(۳) اسم کی دو قسمیں ہیں: معرب اور مبنی:

معرب: وہ مرکب لفظ ہے جو مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو، جیسے قام زیدٌ میں زید معرب ہے، کیونکہ وہ قَامَ کے ساتھ ملا ہوا ہے اور مبنیات کے مشابہ نہیں۔ مبنی الاصل: تین ہیں: فعل ماضی، امر حاضر معروف۔ اور تمام حروف۔

معرب کا حکم: معرب کا آخر عوامل کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے، خواہ لفظی تبدیلی ہو یا تقدیری۔ جیسے زید کا آخر عوامل کے بدلنے سے لفظاً بدلے گا اور موسیٰ کا آخر تقدیراً بدلے گا، جیسے: جاء زید/ موسی، رأیتُ زیداً/ موسی، مررتُ بزیدٍ/ بموسی (مبنی کی تعریف اور اس کا حکم اس کی جگہ آئے گا)

(۴) اعراب کی تعریف: اعراب وہ چیز ہے جس کے ذریعہ معرب کا آخر مختلف ہوتا ہے، تا کہ وہ اختلاف ان معانی پر دلالت کرے جو معرب پر پے بہ پے آتے ہیں۔

اِعْتَوَرَ عليه: یکے بعد دیگرے آنا۔ المعتوِرَة: اسم فاعل واحد مؤنث ہے۔
اعراب کی قسمیں: رفع، نصب اور جر ہیں۔ رفع: فاعل ہونے کی علامت ہے۔ نصب: مفعول ہونے کی اور جر: اضافت کی نشانی ہے یعنی زبر، زیر اور پیش اعراب ہیں۔
(۵) عامل کی تعریف: عامل وہ چیز ہے جس کے ذریعہ وہ معنی وجود میں آتے ہیں جو اعراب کو چاہنے والے ہیں جیسے گذشتہ مثال میں جاء، رأیتُ اور باءعامل ہیں، کیونکہ ان کی وجہ سے زید: فاعل، مفعول اور مجرور بنا ہے، چنانچہ اس پر رفع، نصب اور جر آیا ہے۔

[أنوعُ إعرابِ الاسمِ المُتَمَكِّنِ (۱)]

[۱-] فالمفردُ المنصرفُ، والجمعُ المكسَّرُ المنصرف: بالضمة رفعاً، والفتحة نصبا، والكسرة جَرًّا (۲).

[۲-] جمعُ المؤنثِ السالمُ: بالضمة، والكسرة (۳).

[۳-] غيرُ المنصرفِ: بالضمة، والفتحة (٤).

(۱) اسم متمکن کے اعراب کی نو قسمیں

اعراب لفظی بالحرکت کی تین صورتیں

اسم متمکن: اسم معرب کو کہتے ہیں۔ اس کے اعراب کی دو قسمیں ہیں: لفظی اور تقدیری، پھر لفظی کی دو قسمیں ہیں: بالحرکت اور بالحرف۔ پہلی تین قسموں کا اعراب لفظی اور حرکت کے ذریعہ ہے، دوسری تین قسموں کا اعراب لفظی اور حروف کے ذریعہ ہے۔ اور آخری تین قسموں کا اعراب تقدیری ہے۔
(۲) اعراب لفظی بالحرکت کی پہلی صورت: رفع پیش سے، نصب زبر سے اور

جرزیر سے: یہ اعراب: مفرد منصرف (صحیح اور جاری مجریٰ صحیح) کا اور جمع مکسّر منصرف کا ہے (جبکہ وہ مضاف نہ ہو) جیسے هذا رجل/ وَعْدٌ/ زید/ دَلْوٌ/ ظَبْیٌ/ رجال، ورأیتُ رجلاً إلخ اور مررتُ برجل إلخ ....مفرد منصرف صحیح: وہ اسم ہے جو مفرد ہو، تثنیہ، جمع نہ ہو۔ اور منصرف ہو، غیر منصرف نہ ہو اور صحیح ہو یعنی اس کے آخر میں حرف علت نہ ہو۔ جیسے رجل، وعدٌ، زید. نحوی صرف آخری حرف کا اعتبار کرتے ہیں۔ پس اگر فا کلمہ میں حرف علت ہو جیسے وَعْدٌ یا عین کلمہ میں حرف علت ہو، جیسے زید تو وہ بھی صحیح ہے............ اور مفرد منصرف جاری مجری صحیح: وہ اسم ہے جو مفرد ہو، منصرف ہو، اور اس کے آخر میں واو یا یاء ماقبل ساکن ہو، جیسے دَلْو اور ظَبْی............ اور جمع مکسَّر منصرف: وہ جمع ہے جس میں واحد کا وزن باقی نہ رہا ہو، اور منصرف ہو، غیر منصرف نہ ہو، جیسے رجال............ پس جمع سالم نکل گئی اور مصابیح جیسی جمع بھی نکل گئی، کیونکہ وہ غیر منصرف ہے۔

(۳) اعراب لفظی بالحرکت کی دوسری صورت: رفع پیش سے اور نصب و جرزیر سے: یہ اعراب جمع مؤنث سالم کا ہے۔ جیسے هذه مسلماتٌ، رأیتُ مسلماتٍ اور مررتُ بمسلماتٍ............ جمع مؤنث سالم: الف تاء کے ذریعہ بنائی جاتی ہے اور جمع بناتے وقت مؤنث کے آخر سے گول تاء حذف کر دیتے ہیں۔ جیسے مسلمة سے مسلمات۔

(۴) اعراب لفظی بالحرکت کی تیسری صورت: رفع پیش سے اور نصب و جرزبر سے: یہ اعراب غیر منصرف کا ہے۔ غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین نہیں آتے، جیسے هذا عُمَرُ، رأیتُ عُمَرَ اور مررت بِعُمَرَ (غیر منصرف کا بیان آگے آرہا ہے)

[٤-] أبوك، وأخوكَ، وحَمُوْكِ، وهَنُوْكِ، وفُوْكَ، وذُوْمَالٍ: مضافةً إلى غير ياء المتكلم: بالواو، والألف، والياء [١].

[٥-] المثنى، وكِلَا: مضافاً إلى مُضْمَرٍ، واثنان، واثنتان: بالألف،

واليا ء[٢].

[٦-] جمع المذكرِ السالمُ، وأولو، وعشرون وأخواتُها: بالواو، والياء[٣].

اعراب لفظی بالحروف کی تین صورتیں

(۱) اعراب بالحروف کی پہلی صورت: رفع واو سے، نصب الف سے اور جر یاء سے: یہ اعراب چھ اسموں کا ہے۔ وہ یہ ہیں: أَبٌ، أَخٌ، حَمٌ (جیٹھ، دیور) هَنٌ (مرد یا عورت کی آگے کی شرمگاہ) فَمٌ (منہ) اور ذُو (والا) ان چھیوں اسموں میں جب تین شرطیں پائی جائیں تو یہ اعراب آئے گا: پہلی شرط: وہ مفرد ہوں، تثنیہ جمع نہ ہوں (اگر تثنیہ جمع ہونگے تو ان پر تثنیہ جمع والا اعراب آئے گا) دوسری شرط: وہ مکبّرہ ہوں، مصغّرہ نہ ہوں (اگر مصغّر ہونگے تو ظاہری حرکت سے اعراب آئے گا) تیسری شرط: وہ یائے متکلم کے علاوہ کی طرف مضاف ہوں (مصنف رحمہ اللہ نے یہی شرط ذکر کی ہے) اگر یہ اسماء مضاف نہ ہوں تو ظاہری حرکت سے اعراب آئے گا اور جب یائے متکلم کی طرف مضاف ہوں تو غلامی کی طرح تینوں اعراب تقدیری ہونگے۔ جیسے هذا أبوكِ، أَخوكِ، حَمُوْكِ (حَمٌ: جیٹھ، دیور: یہ رشتہ دار صرف عورت کے ہوتے ہیں اس لئے کاف پر صرف کسرہ لگایا ہے، مرد کے سالے سالیاں خَتَنٌ اور ختنةٌ کہلاتے ہیں) هنوكِ، فوكِ (فَمٌ پر یہ اعراب اس وقت آئے گا جب اس کی میم حذف کردی جائے) ذو مال، جیسے جاء أبوك إلخ رأيتُ أباك إلخ، مررت بأبيك إلخ۔

(۲) اعراب بالحروف کی دوسری صورت: رفع الف سے اور نصب وجر یاء ماقبل مفتوح سے۔ یہ اعراب تین اسموں کا ہے: (۱) تثنیہ کا (۲) مشابہ تثنیہ لفظی کا جو صرف دو لفظ ہیں۔ اثنان اور اثنتان (ثنتان) (۳) مشابہ تثنیہ معنوی کا۔ یہ بھی صرف

دو لفظ ہیں: کِلاَاور کلتا جبکہ وہ ضمیر کی طرف مضاف ہوں (اور جب اسم ظاہر کی طرف مضاف ہوں تو اعراب بالحرکت آئے گا،مگر حرکت تقدیری ہوگی جیسے جاء کِلاَ الرجلین) جیسے جاء الرجلان/ اثنان/ کلاهما. رأیتُ الرجلَین/ اثنین/ کلَیْهما. مررت بالرجلین/ باثنین/ بکلیهما۔

(۳) اعراب بالحروف کی تیسری صورت: رفع واو ماقبل مضموم سے اور نصب وجر یاء ماقبل مکسور سے: یہ اعراب بھی تین اسموں کا ہے:(۱) جمع مذکر سالم کا جبکہ وہ مضاف نہ ہو(۲) مشابہ جمع لفظی کا، یہ عشرون سے تسعون تک کی آٹھ دہائیاں ہیں (۳) مشابہ جمع معنوی کا، یہ صرف أولو ہے جو ذُو کی جمع ہے۔ جیسے جاء مسلمون/ عشرون/ أولومال. رأیتُ مسلِمین/ عشرِین/ أولی مال. مررتُ بمسلمین/ بعشرین/ بأولی مال۔

[۷-۹] التقدیر:
[۱-] فیما تَعَذَّرَ، کعصا وغلامی: مطلقا [۱].
[۲-] أو اسْتُثْقِلَ، کقاضٍ: رفعاً وجَرًّا [۲].
[۳-] ونحو مُسْلِمِیَّ: رفعاً، واللفظی فیما عداه [۳].

اعراب تقدیری کی تین صورتیں

(۱) اعراب تقدیری کی پہلی صورت: تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہوتا ہے،مطلقاً کا یہی مطلب ہے۔ یہ اعراب دو اسموں کا ہے:(۱) اسم مقصور کا جیسے عصا(۲) جمع مذکر سالم کے علاوہ کسی بھی اسم کا جبکہ وہ یائے متکلم کی طرف مضاف ہو۔ جیسے هذا موسی/ غلامی، رأیتُ موسی/ غلامی۔ مررتُ بموسی/ بغلامی۔اور ان کا اعراب مطلقاً تقدیری اس لئے ہے کہ ان میں اعراب کا ظاہر ہونا متعذر ہے یعنی

ناممکن ہے۔فیما تعذّر میں مطلقاً اعراب تقدیری ہونے کی وجہ بیان کی ہے۔

(۲) اعراب تقدیری کی دوسری صورت: رفع اور جر تقدیری ہوتا ہے اور نصب لفظی آتا ہے۔ یہ اعراب اسم منقوص کا ہے، اسم منقوص: وہ اسم ہے جس کے آخر میں یاء ماقبل مکسور ہو جیسے قاضِیْ جیسے جاء القاضِیْ، رأیت القاضِیَ۔ مررت بالقاضِیْ اور اس قسم میں دو اعراب تقدیری اس لئے ہیں کہ یاء پر ضمہ اور کسرہ ثقیل ہیں یعنی آتو سکتے ہیں مگر بھاری ہیں اس لئے ظاہر نہیں ہوتے اور زبر ہلکا اعراب ہے اس لئے ظاہر ہوتا ہے۔

(۳) اعراب تقدیری کی تیسری صورت: رفع واو تقدیری سے اور نصب و جر یاء ماقبل مکسور لفظی کے ذریعہ۔ یہ اعراب جمع مذکر سالم کا ہے جبکہ وہ یائے متکلم کی طرف مضاف ہو۔ جیسے جاء مُسْلِمِیَّ، رأیت مُسْلِمِیَّ، مررتُ بِمُسْلِمِیَّ۔حالت رفعی میں مُسْلِمِیَّ میں جمع کا واو: یاء ہو گیا ہے، اس لئے یہ اعراب تقدیری ہے اور حالت نصبی وجری میں جمع کی یاء موجود ہے اس لئے یہ اعراب لفظی ہے۔ حالت رفعی میں مُسْلِمِیَّ کی اصل مسلمونَ یَ ہے، جمع کا نون اضافت کی وجہ سے گرا، پھر واو کو یاء سے بدل کر یاء میں ادغام کیا اور ی کی مناسبت سے میم کے پیش کو زیر سے بدلا، اس طرح جمع کا واو یاء سے بدل گیا اس لئے یہ اعراب تقدیری ہے اور حالت نصبی وجری میں مُسْلِمِیَّ کی اصل مسلمِیْنَ یَ ہے، نون اضافت کی وجہ سے گرا اور یاء کا یاء میں ادغام کیا۔ پس جمع کی یاء اصلی حالت میں موجود ہے اس لئے یہ اعراب لفظی ہوا۔

فیما عداہ کی ضمیر رفعاً کی طرف لوٹتی ہے یعنی حالت رفعی کے علاوہ باقی دو صورتوں میں یعنی حالت نصبی وجری میں اعراب لفظی ہے۔ اور ایک ضعیف احتمال یہ بھی ہے کہ ضمیر کا مرجع التقدیر ہو یعنی تینوں صورتوں میں جو اعراب تقدیری ہیں وہ تو ہیں باقی لفظی ہے پس دوسری صورت میں حالت نصبی میں جو قاضی پر اعراب ظاہر ہوتا ہے اس کی طرف بھی اشارہ ہو گیا۔

پوری عبارت کا ترجمہ: اسم متمکن یعنی اسم معرب کے اعراب کی قسمیں: (۱) پس مفرد منصرف اور جمع مکسر منصرف (اعراب دیئے جاتے ہیں) پیش کے ساتھ حالتِ رفعی میں اور فتحہ کے ساتھ حالتِ نصبی میں اور کسرہ کے ساتھ حالتِ جری میں (۲) جمع مؤنث سالم: (اعراب دی جاتی ہے) ضمہ اور کسرہ کے ساتھ (۳) غیر منصرف: ضمہ اور فتحہ کے ساتھ (۴) أبوك إلخ درانحالیکہ وہ یائے متکلم کے علاوہ کی طرف مضاف ہوں (اعراب دیئے جاتے ہیں) واو، الف اور یاء سے (۵) تثنیہ اور کلا درانحالیکہ وہ ضمیر کی طرف مضاف ہو اور اثنان اور اثنتان (اعراب دیئے جاتے ہیں) الف اور یاء کے ذریعہ (۶) جمع مذکر سالم، أولو اور عشرون اور اس کی بہنیں (اعراب دیئے جاتے ہیں) واو اور یاء سے۔ اعراب تقدیری ہوتا ہے: (۷) اس صورت میں جبکہ اعراب سخت دشوار ہو جیسے عصا اور غلامی: مطلقاً یعنی تینوں حالتوں میں (۸) یا بھاری سمجھا گیا ہو جیسے قاضی: حالت رفعی اور جری میں (۹) اور مُسْلِمِيَّ جیسے الفاظ حالت رفعی میں اور اس کے ماسواء میں اعراب لفظی ہوتا ہے۔

مشقی سوالات

(۱) کلمہ کی عربی تعریف بیان کرو اور اس کا مطلب سمجھاؤ۔

(۲) کلمہ کی کتنی قسمیں ہیں؟ وجہ حصر بیان کرو۔

(۳) وجہ حصر سے ہر قسم کی جو تعریف مفہوم ہوتی ہے وہ بیان کرو۔

(۴) کلام کی تعریف کرو اور کلام کے تحقق کی کتنی صورتیں ہو سکتی ہیں؟ مع مثال بیان کرو۔

(۵) اسم کی عربی تعریف مع مطلب بیان کرو۔

(۶) اسناد کی تعریف مع امثلہ بیان کرو

(۷) معرب کی تعریف اور اس کا حکم بیان کرو اور تقدیراً اعراب بدلنے کی مثال دو۔

(۸) اعراب کی عربی میں تعریف بیان کرواور المعتورة کا مطلب سمجھاؤ۔

(۹) اعراب کی انواع کتنی ہیں۔اور رفع ونصب وجر کس کو کہتے ہیں۔

(۱۰) عامل کی عربی تعریف بیان کر کے اس کا مطلب سمجھاؤ۔

(۱۱) اسم متمکن کس اسم کو کہتے ہیں؟اس کے اعراب کی کیا کیا صورتیں ہوتی ہیں۔

(۱۲) تینوں اعراب لفظی بالحرکت کن اسماء پر آتے ہیں مع امثلہ بیان کرو۔

(۱۳) رفع پیش سے اور نصب وجر زیر سے کہاں آتے ہیں؟

(۱۴) رفع پیش سے اور نصب وجر زبر سے کہاں آتے ہیں؟

(۱۵) تینوں اعراب لفظی بالحروف کہاں آتے ہیں؟ مع شرائط بیان کرو۔

(۱۶) رفع الف سے اور نصب وجر یاء ماقبل مفتوح سے کہاں آتے ہیں؟ مع امثلہ بیان کرو۔

(۱۷) رفع واو ماقبل مضموم سے اور نصب وجر یاء ماقبل مکسور سے کہاں آتے ہیں؟ مع مثال بیان کرو۔

(۱۸) تینوں اعراب تقدیری کہاں ہوتے ہیں اور کیوں ہوتے ہیں؟

(۱۹) نصب لفظی اور رفع وجر تقدیری کہاں ہوتا ہے؟

(۲۰) صرف رفع تقدیری اور باقی دو اعراب لفظی کہاں ہوتے ہیں؟

(۲۱) حالتِ رفعی میں مُسْلِمِیَّ کی اصل کیا ہے اور حالت نصبی وجری میں کیا ہے؟
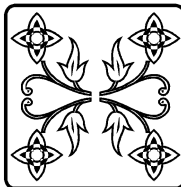
[غير المنصرف[١]]

غيرُ المنصرف: ما فيه عِلَّتَان من تسعة، أو واحدةٌ منها: تقوم مقامهما.

وهي: شعر:

عدلٌ ووَصْفٌ وتأنيثٌ ومعرِفةْ ۞ وَعُجْمَةٌ، ثم جَمْعٌ، ثم تركيبُ

والنونُ: زائدةٌ، من قبلها أَلِفٌ ۞ ووزنُ الفعل، وهذا القولُ تقريبُ

مثل: عُمَرَ، وأحمر، وطلحة، وزينب، وإبراهيم، ومساجدَ، ومَعْدِيْكَرِبَ، وعِمْرَانَ، وأحمدَ.

وحكمه: أن لا كسرةَ، ولا تنوينَ [٢].

[قاعدة] ويجوز صرفُه للضرورة، أو للتناسب، مثلُ ﴿سَلَاسِلًا وَأَغْلَالًا﴾[٣]

[فائدة] ومايقوم مقامهما: الجمعُ، وألِفَا التأنيث[٤].

غیر منصرف کا بیان

(۱) غیر منصرف: وہ اسم ہے جس میں نو اسباب میں سے دوسبب پائے جاتے ہوں یا ان میں کوئی ایک ایسا سبب ہو جو دو کے قائم مقام ہوتا ہے۔اور وہ نو اسباب ان دوشعروں میں جمع ہیں: عدل اور وصف اور تانیث اور معرفہ÷ اور عجمہ پھر جمع پھر ترکیب÷ اور نون: جس سے پہلے الف زائد ہو÷ اور وزن فعل اور یہ قول یعنی یہ اشعار نزدیک کرنا ہے یعنی ذہنوں سے یعنی ان کو آسانی سے یاد کیا جاسکتا ہے (پھر بالترتیب مثالیں ہیں)

(۲) غیر منصرف کا حکم: یہ ہے کہ اس پر نہ کسرہ آتا ہے اور نہ تنوین۔ کسرہ کی جگہ فتح آتا ہے۔

فائدہ: منصرف اور غیر منصرف کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ منصرف اور غیر منصرف: انصراف (باب انفعال) سے اسم فاعل ہیں جن کے معنی ہیں پلٹنے والا اور نہ پلٹنے والا۔ وہ لفظ جس میں دوسرخاب کے پر لگے ہوئے ہوتے ہیں اس کو پگڑی والا اعراب پیش دیا تو اس نے اس کو خوشی خوشی قبول کرلیا۔ پھر جب زبر (اوپر والا اعراب) دیا تو اسے بھی گوارہ کرلیا۔ مگر جب زیر (نیچے والا اعراب) دیا تو بولا: میں دوسرخاب کے پر رکھنے والا (دو اسباب منع صرف رکھنے والا) نیچے کا اعراب لونگا؟! اس سے کہا: بھئی تنوین لیلے۔ کہنے لگا میں بڑا آدمی ایک ہی بوجھ مشکل سے اٹھاتا ہوں دو کیسے اٹھاؤنگا؟ اس سے کہا: جزم لے لے، کہنے لگا وہ تو مبنی کا اعراب ہے میں تو گھومنے والا ہوں۔ غرض نصب سے وہ کسی اور اعراب کی طرف نہیں پلٹا اس لئے وہ غیر منصرف کہلایا ——— اور منصرف بیچارے کو جس اعراب کی طرف پھیر دیا پھر گیا اس لئے ان کا نام منصرف ہوا۔

(۳) قاعدہ: غیر منصرف کو دو صورتوں میں منصرف پڑھنا جائز ہے: ایک ضرورتِ شعری کی وجہ سے [۱] دوسرے: ساتھ والے کلمہ کی مناسبت سے۔ جیسے سورۂ

---

(۱) ضرورتِ شعری کی مثالیں یہ ہیں:

(۱) صُبَّتْ عليَّ مصائبٌ لو أنها ۞ صُبَّتْ على الأيام صِرْنَ لَيَالِيَا

(مجھ پر ایسے مصائب ڈالے گئے کہ اگر وہ ÷ دنوں پر ڈالے جاتے تو وہ راتیں بن جاتے)

(۲) أَعِدْ ذِكْرَ نُعْمَانٍ لنا إنَّ ذِكْرَهُ ۞ هو المِسْكُ ما كَرَّرْتَهُ يَتَضَوَّعُ

(نعمان (امام ابوحنیفہؒ) کا ذکر ہمارے سامنے بار بار کرو بیشک ان کا ذکر ÷ ہی مشک ہے، جس قدر اس کو رگڑو گے مہکے گا)

(۳) سَلَامٌ على خَيْرِ الْأَنَامِ وَسَيِّدٖ ۞ حَبِيْبِ إِلٰهِ العالمينَ مُحَمَّدٖ

بشيرٍ نذيرٍ هَاشِمِيٍّ مُكَرَّمٍ ۞ عَطُوْفٍ رَّؤُفٍ مَّنْ يُسَمّٰى بِأَحْمَدٖ

(خیر الخلائق اور سید الخلائق پر سلام ہو ÷ جو محبوب رب العالمین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں)

(خوش خبری سنانے والے، ڈرانے والے، ہاشمی معزز ÷ نہایت مہربان نہایت ←

دہر(آیت۴) میں ہے: ﴿سَلَاسِلاً وَّأَغْلَالاً﴾ اس میں سَلَاسِلْ بروزن مساجد: غیر منصرف ہے أغلالاً سے مناسبت پیدا کرنے کے لئے اس پر بھی تنوین آئی ہے۔

(۴) فائدہ: جمع منتہی الجموع اور تانیث کے دو الف (ممدودہ اور مقصورہ) جیسے حَمْرَاءُ اور صُغْرىٰ: دو سببوں کے قائم مقام ہیں۔

[۱-] **فالعدلُ: خروجُه عن صيغتِهِ الأصليةِ: تحقيقاً، كثُلَاثَ، ومَثْلَثَ، وأُخَرَ؛ وجُمَعَ، أو تقديراً، كعمر، وباب قَطَامِ في تميمٍ.**

غیر منصرف کا پہلا سبب: عدل

عدل: کے معنی ہیں: کسی اسم کا اپنے اصلی صیغہ سے نکل کر دوسرے صیغہ میں چلا جانا۔ جیسے عَامِرٌ سے عُمَر اور ثلاثةٌ ثلاثةٌ سے ثُلَاثُ بنا ہے............ پھر عدل کی دو قسمیں ہیں: عدل تحقیقی اور عدل تقدیری۔ عدل تحقیقی: وہ ہے جس میں اسم معدول کی واقعی کوئی اصل ہو۔ جیسے ثلاثُ کے معنی ہیں: تین تین، پس معلوم ہوا کہ اس کی اصل ثلاثةٌ ثلاثةٌ ہے۔ اور عدل تقدیری: یہ ہے کہ اسم معدول کی واقعی کوئی اصل نہ ہو، جیسے عمر اور زفر کو عرب غیر منصرف پڑھتے ہیں، اور ان میں علمیت (معرفہ) کے علاوہ کوئی سبب نہیں، اس لئے ان کو عامر اور زافر سے معدول مان لیا گیا ہے۔

اور عدل کے چھ وزن ہیں: (۱) فُعَالُ: جیسے ثُلَاثُ (تین تین) رُبَاع (چار چار)

→ شفیق جن کا نام نامی احمد ہے)

پہلے شعر میں مصائبٌ غیر منصرف ہے اس پر تنوین اس لئے لائی گئی ہے کہ وزن نہ ٹوٹے۔ دوسرے شعر میں نعمان غیر منصرف ہے اس پر تنوین زحاف سے بچنے کے لئے پڑھی گئی ہے اور تیسرے شعر میں أحمد غیر منصرف ہے اس پر کسرہ حرف روی کی رعایت میں لایا گیا ہے (طلباء یہ اشعار حفظ کرلیں۔ یہ بہت عمدہ اشعار ہیں اس لئے لکھے گئے ہیں)

خُمَاسُ سُدَاسُ وغیرہ(۲) مَفْعَلُ جیسے مَثْلَثُ(تین تین)مَرْبَعُ(چار چار) وغیرہ (۳) فُعَلُ: جیسے عُمَر، زُفَر(ان میں عدل تقدیری ہے)اور أُخَرُ اور جُمَعُ(ان میں عدل تحقیقی ہے) یعنی عمر اور زفر کو تو بس ویسے ہی معدول مان لیا گیا ہے، مگر أُخَرُ: أُخْریٰ کی جمع ہےاور وہ آخَرُ (اسم تفضیل) کا مؤنث ہے یعنی سب سے زیادہ تاخیر کرنے والا اور اسم تفضیل کا استعمال الف لام، اضافت یا مِنْ کے ساتھ ہوتا ہے اور أخر ان سب کے بغیر بمعنیٰ ''دیگر'' استعمال کیا جاتا ہے یہ عدل تحقیقی ہوا ـــــ اور جُمَعُ:جَمْعَاءُ کی جمع ہے اور وہ أَجْمَعُ کا مؤنث ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ أَفْعَلُ کے مؤنث فَعْلَاءُ کی جمع: اگر وہ اسم صفت ہو تو فُعْلٌ کے وزن پر آتی ہے جیسے:أَحْمَرُ کے مؤنث حَمْرَاءُ کی جمع حُمْرٌ ہے۔اور اگر وہ اسم ذات ہو تو فُعَالیٰ یا فَعْلَاوَات کے وزن پر آتی ہے، جیسے صحراءکی جمع صَحَاریٰ یا صَحْرَاوَات ہے، پس ماننا ہوگا کہ جُمَعُ کی اصل یا تو جُمْعٌ ہے یا جَمَاعیٰ یا جَمْعَاوَات ہے۔ یہی اس میں عدد تحقیقی ہے۔اور مصنف رحمہ اللہ چونکہ عدل کے اوزان بیان نہیں کررہے بلکہ عدل تحقیقی کی مثالیں دے رہے ہیں، اس لئے انھوں نے تحقیقاً کے تحت ان کو لیا ہے۔اور شرح میں چونکہ اوزان بیان کئے ہیں اس لئے ۳ میں لئے ہیں۔(۴) فَعَلُ جیسے سَحَرُ (معین دن کا صبح سے کچھ پہلے کا وقت)(۵) فَعَالِ جیسے قَطَامِ، حَذَامِ(عورتوں کے نام)(۶) فَعْلِ جیسے أَمْسِ(گذشتہ کل)

نوٹ: قَطَامِ، حَذَامِ: اہل حجاز کے نزدیک کسرہ پر مبنی ہیں، غیر منصرف نہیں ہیں۔اور بنوتمیم ان میں عدل مانتے ہیں اور غیر منصرف پڑھتے ہیں۔اسی طرح أمسِ کو بھی بنوتمیم حالتِ رفعی میں غیر منصرف مانتے ہیں اور اہل حجاز کسرہ پر مبنی کہتے ہیں پس اصل اوزان چار ہیں: ثلاثُ، مثلثُ، عمر اور سَحَرُ۔

نوٹ: مصنف رحمہ اللہ نے وزن ۴ و ۶ کو بیان نہیں کیا۔ باقی صرف چار اوزان بیان کئے ہیں۔اور قطامِ جیسے الفاظ سے مراد اس وزن پر آنے والے وہ الفاظ ہیں جو

عورتوں کے نام ہوں اور ان کے آخر میں راء نہ ہو۔

ترجمہ: پس عدل: اس کا نکلنا ہے اپنے اصلی صیغہ سے: تحقیقی طور پر جیسے ثلاث اور مثلث اور أخَر اور جُمَع یا تقدیری (مان لینے کے) طور پر، جیسے عمر اور قَطَامِ جیسے نام بنوتمیم کے محاورات میں۔

[۲-] الوصف: شرطُه: أن يكون في الأصل، فلا تَضُرُّهُ الغَلَبةُ.(۱)
فلذلك(۲):
[الف] صُرِفَ أَرْبَعٌ في: "مررتُ بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ"
[ب] وامْتَنَعَ أسودُ وأَرْقَمُ: للحَيَّةِ، وَأَدْهَمُ: للقيد.
[ج] وضَعُفَ مَنْعُ أَفْعٰى: للحَيَّةِ، وأَجْدَلَ: لِلصَّقْرِ، وأَخْيَلَ: للطائر.

غیر منصرف کا دوسرا سبب: وصف

(۱) وصف کے معنی ہیں: حالت، صفت کے بھی یہی معنی ہیں اور اسم وصف: وہ اسم ہے جس سے ذات کے علاوہ کوئی حالت بھی سمجھی جائے۔ جیسے أَحْمَرُ (سرخ) أَسْوَدُ (سیاہ) أَرْقَمُ (چت کبرا) سَكْران (مدہوش) ان لفظوں سے ذات کے علاوہ حالت بھی سمجھی جاتی ہے۔ اور اسم وصف کے غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ اصل بناوٹ میں صفتی معنی کے لئے ہو، خواہ بعد میں وہ صفتی معنی اس میں باقی رہے ہوں یا نہ رہے ہوں۔ پس أسود اور أرقم: اگرچہ بعد میں سانپوں کے نام ہو گئے ہیں مگر چونکہ اصل بناوٹ میں صفتی معنی کے لئے ہیں اس لئے غیر منصرف کا سبب ہیں۔ فلا تَضُرُّهُ الغلبةُ کا یہی مطلب ہے۔

(۲) وصف: غیر منصرف کا سبب اس وقت ہے جبکہ اصل بناوٹ میں اس کی وصفیت یقینی ہو، یہ مثبت شرط ہے اور بعد میں غلبہ مضر نہیں یہ منفی شرط ہے۔ پس اب

مصنف رحمہ اللہ تین باتیں متفرع کرتے ہیں:

ایک: وصفیتِ اصلی کے شرط ہونے پر، دوسری: غلبہ کے مضر نہ ہونے پر اور تیسری: اصل بناوٹ میں وصفیت کے معنی یقینی نہ ہونے پر۔

پہلی تفریع: جو اسم اصل بناوٹ میں صفتی معنی کے لئے نہ ہو بعد میں اس میں عارضی طور پر صفتی معنی پیدا ہوگئے ہوں تو اس کا اعتبار نہیں۔ جیسے مررتُ بنسوةٍ أربعٍ (میں چار عورتوں کے پاس سے گذرا) اس میں أربعٌ: نسوةٌ کی صفت ہے اور اس میں دوسرا سبب وزن فعل بھی ہے، مگر چونکہ أربع اصل بناوٹ میں عدد کے لئے ہے اس لئے منصرف ہے۔

دوسری تفریع: أسود اور أرقم: غیر منصرف ہیں، کیونکہ ان کی اصل وضع میں وصفیت کے معنی یقینی ہیں، اگر چہ بعد میں یہ سانپوں کے نام ہوگئے ہیں، مگر اسمیت کا یہ غلبہ مضر نہیں۔ اسود کے معنی ہیں: ناگ، کالا سانپ اور اَرقم کے معنی ہیں: چت کبرا سانپ اور ادہم کے معنی ہیں: بیڑی، مگر اصلی معنی ہیں: سیاہ، چت کبرا، کالا۔ اس قسم کے الفاظ کو منصرف پڑھنا ممنوع ہے۔

تیسری تفریع: أَفْعیٰ (خبیث سانپ) أَجْدَل (شکرہ: ایک شکاری پرندہ) اور أَخْيَلْ (ایک مخصوص پرندہ جس کے پروں پر رنگ برنگ کے تل ہوتے ہیں) ان لفظوں کا غیر منصرف ہونا ضعیف ہے یعنی ان کو غیر منصرف پڑھنا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ ان کی اصل وضع میں وصفیت کے معنی ہیں یا نہیں؟ یہ بات یقینی نہیں۔ بلکہ احتمال ہے کہ أَفْعیٰ: فَعْوَةٌ سے مشتق ہو جس کے معنی خبث کے ہیں اور أَجْدَل: جَدْل سے مشتق ہو جس کے معنی قوت کے ہیں اور أَخْيَلْ: خَالْ سے مشتق ہو جس کے معنی تل کے ہیں بعد میں اسمیت کا غلبہ ہوگیا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ شروع ہی سے یہ اسم ذات ہوں، پس ان کی وصفیت یقینی نہیں اس لئے ان کو غیر منصرف پڑھنا ٹھیک نہیں۔ ان کو منصرف پڑھنا چاہئے۔

ترجمہ: پس اسی وجہ سے یعنی مذکورہ دوشرطوں کی وجہ سے:(الف) مررتُ بنسوةٍ أربعٍ میں أربعٌ منصرف پڑھا گیا ہے (ب) اورمنصرف پڑھنا ممتنع ہے یعنی جائزنہیں اسوداورارقم کو جوسانپ کے نام ہیں اوراد ہم کو جس کے معنی بیڑی کے ہیں (ج)اورکمزورہے افعیٰ کا غیرمنصرف پڑھنا جوسانپ کے لئے ہے،اور أجدل کا جو شکرہ کے لئے ہےاور أخيل کا جوایک پرندہ کے لئے ہے۔

[۳-] **التأنيث**[1]:

[الف] **بالتاء، شرطُهُ العلميةُ.**

[ب] **والمعنوى كذلك.**

وشرطُ تَحَتُّمِ تأثيرِهِ: الزيادةُ على الثلاثة، أو تَحَرُّكُ الأَوْسَطِ، أو العُجْمَةُ؛ فَهِنْدٌ يجوز صرفه، وزينبُ، وسَقَرُ، ومَاهُ، وجُوْرُ ممتنعٌ.

[قاعدة] **فإن سُمِّيَ به مذكرٌ: فشرطُه الزيادةُ على الثلاثة، فَقَدَمٌ منصرفٌ، وعَقْرَبُ ممتنعٌ**[2].

غیرمنصرف کا تیسرا سبب: تانیث

(۱)اسم کا مؤنث ہونا بھی غیرمنصرف کا سبب ہے۔پھرتانیث بالالف کے لئے (خواہ وہ الف ممدودہ ہو یامقصورہ) کوئی شرط نہیں اورتانیث بالتاء کے لئے علمیت (نام ہونا)شرط ہے،جیسے طلحة ـــــ اورتانیث معنوی کے لئے بھی علمیت شرط ہے۔مگرفرق یہ ہے کہ تانیث بالتاء میں تو علمیت کی شرط وجوب کے لئے ہے یعنی اس کوغیرمنصرف پڑھنا واجب ہےاورتانیث معنوی میں یہ شرط جواز کے لئے ہے یعنی اب اس کوغیرمنصرف پڑھ سکتے ہیں۔اوروجوب کے لئے تین باتوں میں سے ایک

بات شرط ہے:(۱) کلمہ میں تین حرف سے زائد ہوں، جیسے زینب، مریم (۲) یا اگر کلمہ تین حرفی ہوتو درمیانی حرف متحرک ہو، جیسے سَقَر (دوزخ) (۳) یا اگر درمیانی حرف ساکن ہوتو ضروری ہے کہ وہ عجمی زبان کا لفظ ہو، جیسے مَاہْ، جُوْر (دوشہروں کے نام) ـــــ پس اگر عربی زبان کا لفظ ہو جیسے ہِنْد (عورت کا نام) تو اس کو منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ منصرف: اس لئے کہ غیر منصرف ہونے کے لئے جو تین باتیں ضروری تھیں: وہ نہیں پائی جاتیں اور غیر منصرف اس لئے کہ دو سبب (تانیث معنوی اور معرفہ) موجود ہیں۔

قاعدہ: اگر کسی مؤنث معنوی (مؤنث سماعی) کے ذریعہ مذکر کا نام رکھ دیا جائے تو اس کے غیر منصرف ہونے کے لئے لازمی شرط یہ ہے کہ کلمہ میں تین حرف سے زائد ہوں، باقی دو شرطیں یعنی درمیانی حرف کا متحرک ہونا یا عجمی زبان کا لفظ ہونا کافی نہیں۔ پس قَدَمٌ (پیر) جو مؤنث معنوی ہے اگر اس کے ذریعہ کسی آدمی کا نام رکھ دیا جائے تو بھی وہ منصرف ہوگا، کیونکہ کلمہ تین حرفی ہے، اگرچہ درمیانی حرف متحرک ہے، مگر یہ شرط یہاں معتبر نہیں۔ اور عَقْرَبٌ (بچھو) جو مؤنث معنوی (سماعی) ہے، اس کے ذریعہ کسی مذکر کا نام رکھ دیا جائے تو غیر منصرف ہوگا، کیونکہ کلمہ چار حرفی ہے۔

ترجمہ: تانیث: (الف) تاء کے ذریعہ: اس کی شرط علمیت ہے (ب) اور معنوی بھی اسی طرح ہے یعنی اس کے لئے بھی علمیت شرط ہے۔ اور تانیث معنوی کی تاثیر کے وجوب کی شرط: تین حروف سے زائد ہونا ہے یا درمیانی حرف کا متحرک ہونا ہے یا عجمی زبان کا لفظ ہونا ہے۔ پس ھند کو منصرف پڑھنا جائز ہے۔ اور زینب اور سقر اور ماہ اور جور کو منصرف پڑھنا ناجائز ہے۔ (قاعدہ) پس اگر مؤنث معنوی کے ساتھ کسی مذکر کا نام رکھ دیا جائے تو اس کی شرط تین حروف سے زیادہ ہونا ہے۔ پس قَدَم منصرف ہے اور عقرب غیر منصرف ہے۔

[٤-] المعرفةُ: شرطها: أن تكون عَلَمِيَّةً [١].

[٥-] العُجْمَةُ:[٢] شرطُها: أن تكون عَلَمِيَّةً في العُجْمَةِ، وتَحَرُّكُ الأوسطِ، أو الزيادةُ على الثلاثة؛ فَنُوْحٌ منصرفٌ، وشَتَرُ وإبراهيمُ ممتنعٌ.

[٦-] الجمع:[٣] شرطُه: صيغةُ مُنْتَهَى الجُموع، بغيرهاء، كمساجد ومصابيح: وأما فَرَازِنَةُ فمنصرفٌ.

[فائدة] [٤] وحَضَاجِرُ: عَلَمًا للضَّبُع غير منصرفٍ، لأنه منقول عن الجمع.

[فائدة] وَسَرَاوِيْلُ:[٥] إذا لم يُصْرَفْ ـــ وهو الأكثر ـــ فقد قيل: أعجميٌّ حُمِلَ على مَوَازِنِهِ، وقيل: عربيٌّ: جمعُ سِرْوَالَةٍ: تقديراً؛ وإذا صُرِفَ فلا إشكال.

[فائدة] ونحوُ جَوَارٍ: رفعاً وجرًّا كقاض.[٦]

غیر منصرف کا چوتھا سبب: معرفہ

(۱) معرفہ: وہ اسم ہے جو متعین چیز پر دلالت کرے۔ ایسے اسماء سات ہیں، مگر غیر منصرف کا سبب صرف علمیت ہے، اس لئے معرفہ اور علمیت کا ایک ہی مطلب ہے یہی مطلب ہے شرطها أن تكون علمية کا یعنی باقی چھ معرفہ جیسے: ضمیر، اسم موصول وغیرہ غیر منصرف کا سبب نہیں۔

غیر منصرف کا پانچواں سبب: عجمہ

(۲) عجمہ کے معنی ہیں: غیر عربی زبان کا لفظ ہونا۔ عجمہ کے لئے بھی علمیت شرط

ہے، یعنی ضروری ہے کہ وہ عجمی زبان میں نام ہو۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ (۱) کلمہ میں تین حرف سے زائد ہوں۔ جیسے إبراهيم۔ (۲) اور اگر کلمہ تین حرفی ہو تو درمیانی حرف متحرک ہو، جیسے شَتَرُ (ایک قلعہ کا نام) پس نوح اور لوط منصرف ہیں، کیونکہ درمیانی حرف ساکن ہے۔ اور شتر غیر منصرف ہے کیونکہ درمیانی حرف متحرک ہے۔ اور إبراهيم بھی غیر منصرف ہے کیونکہ اس میں تین حروف سے زائد ہیں۔

غیر منصرف کا چھٹا سبب: جمع

(۳) جمع: سے مراد یہ ہے کہ وہ اسم منتہی الجموع کے وزن پر ہو۔ یہ دو وزن ہیں: (۱) مَفَاعِل یعنی شروع میں دو حرف مفتوح ہوں (میم کا ہونا ضروری نہیں) اور تیسری جگہ الف ہو، اور اس کے بعد دو حرف ہوں، خواہ جدا جدا ہوں خواہ مدغم، جیسے: مساجد اور دوابُّ (چوپایے) (۲) مَفَاعِيْل: یعنی شروع میں دو حرف مفتوح ہوں (میم کا ہونا ضروری نہیں) اور تیسری جگہ الف ہو، اور اس کے بعد تین حروف ہوں اور درمیانی حرف ساکن ہو جیسے مصابیح (چراغ) ــــــ لیکن اگر جمع کے آخر میں ۃ آسکتی ہو تو وہ لفظ غیر منصرف نہ ہوگا جیسے صَيَاقِلَة (تلواروں کو تیز کرنے والے) اسی طرح فَرَازِنَة (فَرْزُون کی جمع: شطرنج کی ایک گوٹی جس کو وزیر کہتے ہیں) بھی منصرف ہیں، کیونکہ ان کے آخر میں تاء تانیث موجود ہے جو حالتِ وقف میں ہ ہو جاتی ہے۔

(۴) حَضَاجِر (بجّو، لکڑ بھگا، ایک خونخوار جانور) منتہی الجموع کے وزن پر ہے مگر جمع نہیں، پس جب جمعیت نہیں تو یہ غیر منصرف کیوں ہے؟ مصنف رحمہ اللہ اس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ یہ درحقیقت حَضْجَرٌ (بڑے پیٹ والے) کی جمع ہے، پھر اس کو جمعیت سے نقل کر کے بجو کا نام رکھ دیا یعنی بجو کے لئے اسم جنس بنا دیا، پس جمعیتِ اصلیہ کی وجہ سے وہ غیر منصرف ہے، کیونکہ منتہی الجموع کے لئے جو جمعیت شرط ہے وہ عام ہے خواہ فی الحال ہو یا در اصل ہو دونوں غیر منصرف کا سبب ہیں۔

ترجمہ: اور حَضَاجِر: درانحالیکہ وہ بجو کے لئے اسم جنس ہے: غیر منصرف ہے، اس لئے کہ وہ جمع سے منقول ہے یعنی درحقیقت وہ جمع تھا (پھر جب بجو کے لئے مستعمل ہونے لگا تو اس میں جمعیت باقی نہ رہی، مگر یہ بات مضر نہیں)

(۵) سَرَاوِيْل: شلوار کی عربی ہے، اور منتہی الجموع کا وزن ہے مگر جمع نہیں پھر اس کو غیر منصرف کیوں پڑھا جاتا ہے؟ جواب: اکثر عرب اس کو غیر منصرف پڑھتے ہیں اور وہ اس کے غیر منصرف ہونے کی دو توجیہیں کرتے ہیں: (۱) یہ عجمی لفظ ہے اس کو عربی کے اس کے ہم وزن الفاظ پر محمول کیا گیا ہے۔ جیسے مصابیح غیر منصرف ہے اس لئے سراویل بھی غیر منصرف ہے (۲) سراویل: کو سِرْوَالة کی جمع فرض کیا گیا ہے —— اور جو حضرات اس کو منصرف پڑھتے ہیں ان کے مذہب پر تو کوئی اشکال ہی نہیں۔

ترجمہ: اور سراویل: جب وہ منصرف نہ پڑھا جائے —— اور وہ زیادہ تر ہے —— تو کہا گیا کہ عجمی لفظ ہے اس کے ہم وزن الفاظ پر محمول کیا گیا ہے اور کہا گیا کہ عربی لفظ ہے اور سِرْوَالة کی فرضی طور پر جمع ہے اور جب منصرف پڑھا جائے تو کوئی اشکال نہیں۔

(۶) جو جمع واوی یا یائی فَوَاعِل کے وزن پر ہو، اور اس پر حرکت کے ذریعہ اعراب آتا ہو، جیسے جَوَارِی: جارية (باندی) کی جمع اور دَوَاعِي: داعية کی جمع: یہ حالت رفعی وجری میں: حذفِ یاء اور تنوین کے داخل ہونے میں: قاضٍ کی طرح ہیں۔ کہیں گے: جاء تني جَوَارٍ، مررتُ بجوارٍ، رأيتُ جوارِيَ —— رہی یہ بات کہ جوارٍ: منصرف ہے یا غیر منصرف تو اس میں اختلاف ہے اس لئے مصنف رحمہ اللہ نے اس کو ذکر نہیں کیا، بس استعمال کا طریقہ بتادیا۔

[۷-] **التركيبُ: شرطُه العلَميةُ، وأن لايكون بإضافةٍ، ولا إسنادٍ، مثلُ بَعْلَبَكَّ**[۱].

[٨-] الألف والنون:[٢]

[الف] إن كانتا في اسم: فشرطُه: العلميةُ، كعمرانَ.

[ب] أو صفةٍ: فَانْتِفَاءُ فَعْلاَ نَةٍ، وقيل: وجودُ فَعْلٰى.

ومن ثَمَّ: اختلف في رحمان، دون سَكْرَانَ، ونَدْمَانٍ.

غیر منصرف کا ساتواں سبب: ترکیب

(۱) ترکیب سے مراد مرکب منع صرف ہے یعنی دو کلموں کو اسناد اور اضافت کے بغیر ملا دینا (اور دوسرا کلمہ نہ صوت ہو جیسے سیبویہ اور نہ حرف کو متضمن ہو جیسے ثلاثة عشر) ترکیب کے سبب بننے کے لئے علمیت شرط ہے جیسے بَعْلَبَكّ، حَضَرَ مَوْت (شہروں کے نام) مَعْدِيْكَرِبَ (آدمی کا نام)

غیر منصرف کا آٹھواں سبب: الف نون زائدتان

(۲) اسم کے آخر میں الف اور نون کا ہونا بھی غیر منصرف کا سبب ہے اگر یہ الف اور نون اسم ذات کے آخر میں ہوں تو علمیت شرط ہے، جیسے عثمان، سلمان، عمران اور اگر اسم صفت کے آخر میں ہوں تو یہ شرط ہے کہ اس کا مؤنث فَعْلاَنة کے وزن پر نہ آتا ہو، جیسے سکران (مدہوش) اور بعض نے یہ شرط لگائی ہے کہ اس کا مؤنث فَعْلٰى کے وزن پر آتا ہو ــــــ اور اسم ذات: وہ اسم ہے جو محض کسی ذات پر دلالت کرے، کسی حالت پر دلالت نہ کرے، جیسے کتاب، جدار ــــــ اور اسم صفت: وہ اسم ہے جو ذات کے ساتھ حالت پر بھی دلالت کرے، جیسے سَکران (مدہوش، شراب پیا ہوا) عَطْشَان (پیاسا) غَضْبان (غضبناک) ــــــ پس رحمان میں اختلاف ہے۔ کیونکہ اس کا مؤنث نہیں ہے، پس جو لوگ یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس کا مؤنث فعلانة کے وزن پر نہ آتا ہو وہ رحمان کو غیر

منصرف پڑھتے ہیں، کیونکہ شرط پائی گئی۔ اور جو لوگ یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس کا مؤنث فَعْلٰی کے وزن پر آتا ہو وہ منصرف پڑھتے ہیں، کیونکہ شرط نہیں پائی گئی ـــــ اور سکران اور ندمان بالاتفاق غیر منصرف ہیں کیونکہ ان کے مؤنث سَکْریٰ اور عَطْشٰی ہیں، پس دونوں مذہبوں پر شرط متحقق ہے فعلانة کے وزن پر مؤنث کا نہ آنا اور فَعْلٰی کے وزن پر آنا۔

ترجمہ: (۷) ترکیب: اس کے لئے شرط علمیت (نام ہونا) ہے اور یہ شرط ہے کہ ترکیب اضافت کے ساتھ نہ ہو اور نہ اسناد کے ساتھ ہو جیسے بعلبك ـــــ (۸) الف اور نون (زائدتان) (الف) اگر دونوں اسم (ذات) میں ہوں تو اس کے لئے علمیت شرط ہے جیسے عمران (۲) یا (اسم) صفت میں ہوں تو فعلانة کا نہ ہونا شرط ہے اور کہا گیا: فَعلی کا پایا جانا شرط ہے چنانچہ رحمان میں اختلاف کیا گیا، نہ کہ سکران اور ندمان میں۔

[۹-] **وزنُ الفعل: شرطُه:**(۱)
[الف] **أن يَخْتَصَّ به كشَمَّرَ، وضُرِبَ.**
[ب] **أو يكون في أوله زيادةٌ كزيادته، غيرَ قابلٍ للتَّاءِ.**
ومن ثَمَّ: امْتَنَعَ أحمَرُ، وانْصَرَفَ يَعْمَلٌ.

غیر منصرف کا نواں سبب: وزنِ فعل

(۱) اسم کا فعل کے وزن پر ہونا بھی غیر منصرف کا سبب ہے۔ اور فعل کے اوزان میں سے تین قسم کے وزنوں کا اعتبار ہے: (۱) فعل کا مخصوص وزن جو اسم میں شاذ و نادر ہی پایا جاتا ہو ایسے وزن دو ہیں: فَعَّلَ جیسے شَمَّرَ (تیز ہانکنا) اور فُعِلَ جیسے ضُرِبَ (۲) فعل میں زیادہ تر استعمال ہونے والا وزن۔ یہ ثلاثی مجرد کا فعلِ امر کا وزن ہے یعنی

أفعل (ہمزہ پر دو حرکتیں ضمہ اور کسرہ اور عین پر تینوں حرکتیں، یہ وزن مصنف رحمہ اللہ نے بیان نہیں کیا) (۳) فعل مضارع کا وزن یعنی وہ اسم جس کے شروع میں حروف اَتَیْنَ میں سے کوئی حرف ہو، جیسے یزید، تغلب، أحمر اور اس تیسرے وزن کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کے آخر میں ۃ نہ آسکتی ہو، پس یَعْمَلٌ اور نَصِیْرٌ منصرف ہیں، کیونکہ ان کا مؤنث یَعْمَلَۃٌ اور نصیرۃٌ آتا ہے ناقۃٌ یعملۃٌ: کام میں استعمال ہونے والی اونٹنی اور امرأۃ نصیرۃٌ: مددگار عورت۔

ترجمہ: وزنِ فعل: اس کے لئے شرط یہ ہے کہ (الف) وہ وزن فعل کے ساتھ خاص ہو، جیسے شَمَّرَ اور ضُرِبَ (ب) یا اس کے شروع میں کوئی زیادتی ہو فعل (مضارع) جیسی زیادتی، درانحالیکہ وہ لفظ ۃ کو قبول کرنے والا نہ ہو۔ اور اسی وجہ سے أحمر غیر منصرف ہے (کیونکہ اس کے شروع میں حروف اَتَیْنَ میں سے الف کی زیادتی ہے اور وہ ۃ کو قبول نہیں کرتا) اور یعمل منصرف ہے (کیونکہ اس کے شروع میں اگرچہ یاء کی زیادتی ہے مگر وہ ۃ کو قبول کرتا ہے)

[قاعدة] وما فيه علميةٌ مُؤَثِّرَةٌ: إذا نُكِّرَ صُرِفَ.(۱)

[وجهُه] لِمَا تَبَيَّنَ: من أنها لا تُجَامِعُ مُؤَثِّرَةً إلا ماهي شرطٌ فيه، إلا العدلَ ووزنَ الفعلِ، وهما مُتَضَادَّانِ، فلايكون معها إلا أحدُهما، فإذا نُكِّرَ بقي بلا سببٍ، أو على سببٍ واحد.

[اختلاف سيبويه](۲) وخَالَفَ سِيْبَوَيْهِ الأخفشَ في مثلِ أحمرَ: علماً: إذا نُكِّرَ، اعتباراً للصفة الأصلية بعد التنكير.

ولا يَلْزَمُه بابُ حاتمٍ: لِمَا يَلْزَمُ من اعتبار المتضادَّيْن في حكم واحد(۳).

[قاعدة](٤) وجميع الباب باللام، أو بالإضافة: يَنْجَرُّ بالكسر.

غیر منصرف کے سلسلہ کے دو قاعدے

(۱) پہلا قاعدہ: غیر منصرف کے جن پانچ اسباب (تانیث بالتاء، مؤنث معنوی، عجمہ، ترکیب اور الف نون زائدتان) میں علمیت شرط ہے اگر ان کو نکرہ بنادیا جائے گا تو وہ منصرف ہو جائیں گے۔ جیسے رُبَّ فاطمةٍ / زينبٍ/ إبراهيمَ/ معديكربٍ/ عمران (بہت سی فاطمائیں الخ)

اس کی وجہ: پہلے یہ بات وضاحت کے ساتھ آچکی ہے کہ علمیت سات اسباب میں پائی جاتی ہے، ان میں سے پانچ میں شرط ہے، پس جب ان کو نکرہ بنادیا جائے گا تو ان میں غیر منصرف کا کوئی سبب باقی نہیں رہے گا، کیونکہ دوسرا سبب: علمیت کی شرط کے ساتھ سبب تھا پس جب علمیت نہ رہی تو وہ سبب بھی نہ رہا ـــــ اور دو سببوں میں یعنی عدل اور وزن فعل میں شرطیت کے بغیر علمیت پائی جاتی ہے، پس جب ان کو نکرہ بنادیا جائے گا تو ان میں ایک ہی سبب باقی رہے گا جو غیر منصرف ہونے کے لئے کافی نہیں۔ رہے عدل اور وزن فعل تو وہ دونوں ایک اسم میں جمع نہیں ہو سکتے کیونکہ ان میں تضاد ہے۔

ترجمہ: (اس کی وجہ) مذکورہ قاعدہ اس وجہ سے ہے جو پہلے واضح ہو چکی ہے کہ علمیت مؤثر ہو کر جمع نہیں ہوتی مگر اس سبب میں جس میں وہ شرط ہے (یعنی صرف پانچ اسباب میں) مگر عدل اور وزن فعل (یعنی ان دو سببوں میں شرطیت کے بغیر علمیت پائی جاتی ہے) اور وہ دونوں متضاد ہیں (یعنی ایک اسم میں جمع نہیں ہو سکتے) پس نہیں ہوگا علمیت کے ساتھ مگر ان دونوں میں سے ایک، پس جب وہ نکرہ بنادیا جائے گا تو وہ بلا سبب رہ جائے گا (یعنی پانچ اسباب میں جن میں علمیت شرط ہے) یا ایک سبب پر رہ جائے گا (یعنی عدل اور وزن فعل میں)

(۲) سیبویہ کا اختلاف: سیبویہ مذکورہ قاعدہ میں ایک صورت میں اختلاف

کرتے ہیں۔اور وہ صورت یہ ہے کہ اگر کسی اسم وصف کے ذریعہ کسی کا نام رکھ دیا جائے۔مثلاً کسی کا أحمر نام رکھ دیا جائے پھر اس کو نکرہ بنادیا جائے تو کیا حکم ہے؟

سیبویہ (جو استاذ ہیں) کہتے ہیں کہ نکرہ بنانے کے بعد بھی وہ غیر منصرف ہوگا۔ کیونکہ علم ہونے کی وجہ سے جو وصفیت زائل ہوگئی تھی وہ نکرہ بنانے کے بعد لوٹ آئے گی اور دوسرا سبب وزنِ فعل موجود ہے اس لئے وہ غیر منصرف ہوگا۔اخفش (جو شاگرد ہیں) کہتے ہیں کہ اب وہ منصرف ہوجائے گا، کیونکہ اب اس میں صرف ایک سبب وزن فعل رہ جائے گا جو غیر منصرف ہونے کے لئے کافی نہیں۔اور جو وصفیت نام رکھ دینے کی وجہ سے زائل ہوگئی تھی، وہ نکرہ بنانے کے بعد نہیں لوٹے گی کیونکہ معدوم کا اعادہ محال ہے۔یہی جمہور کا مذہب ہے [1]

ترجمہ: (سیبویہ کا اختلاف) اور سیبویہ نے اخفش سے اختلاف کیا ہے أحمر جیسے الفاظ میں نام ہونے کی حالت میں یعنی احمر کی طرح کے کسی بھی اسم وصف کے ذریعہ جب کسی کا نام رکھ دیا جائے، پھر جب وہ نکرہ بنادیا جائے (تو بھی وہ سیبویہ کے نزدیک غیر منصرف ہوگا) نکرہ بنادینے کے بعد وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کرتے ہوئے یعنی جب تک وہ نام تھا وصفیت کے معنی اس میں نہیں تھے، اب تنکیر کے بعد وصفیتِ اصلیہ لوٹ آئے گی اور اس کا اعتبار کرلیا جائے گا۔

---

(۱) چونکہ اخفش کا مذہب جمہور کے مذہب کے موافق تھا اس لئے مصنف رحمہ اللہ نے مخالفت کی نسبت استاذ کی طرف کی ہے، جو اگرچہ مستحسن نہیں مگر ترجیح کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ایسا کرنا ضروری تھا (شرح جامی)

لیکن اگر غور کیا جائے تو سیبویہ کی بات بھی ایک درجہ میں معقول ہے اور اخفش کی بھی۔ جب ربَّ أحمرٍ کہیں گے اس وقت تو وصفیت کے معنی نہیں لوٹتے کیونکہ علمیت کا ابھی اثر باقی ہے۔مگر صرف أحمر کردیا جائے تو اب وصفیت ہی کے معنی ہونگے۔پس اخفش کے قول کا مصداق ربَّ والی تنکیر ہے اور سیبویہ کے قول کا مصداق مطلق تنکیر ہے۔

(۳) اخفش نے سیبویہ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر علم میں تنکیر کے بعد وصفیت کا اعتبار کیا جائے گا تو علم ہونے کی حالت میں بھی اس کا اعتبار کرنا چاہئے، جیسے حاتم کے معنی قاضی اور فیصلہ کرنے والے کے ہیں، پس نام ہونے کی حالت میں اس کا اعتبار کریں گے تو علمیت اور وصفیت دو سبب پائے گے پس اس کو غیر منصرف پڑھنا چاہئے، حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔

جواب: یہ ہے کہ تنکیر کے بعد وصفیت کا اعتبار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ نام ہونے کی حالت میں بھی اس کا اعتبار کیا جائے۔ ایسا کیسے کیا جا سکتا ہے؟ علمیت اور وصفیت میں تو تضاد ہے ایک حالت میں دونوں کا اعتبار کیسے کیا جا سکتا ہے؟ اور تنکیر کے بعد اعتبار کرنے میں کوئی تضاد کی بات نہیں، اس لئے سیبویہ اس کا اعتبار کرتے ہیں۔

نوٹ: اخفش کا مذہب صحیح ہے، جمہور کے قول کے مطابق ہے، مگر ان کا سیبویہ رحمہ اللہ پر اعتراض صحیح نہیں۔ اس لئے مصنف رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا ہے۔

ترجمہ: اور سیبویہ کے سر نہیں پڑیں گے حاتم جیسے الفاظ (اس لئے کہ حاتم میں نام ہونے کی حالت میں وصفیت کا اعتبار کرنے میں) ایک حکم میں یعنی حالتِ واحدۃ میں دو متضاد باتوں کا اعتبار کرنا لازم آئے گا (جو کسی طرح درست نہیں)

فائدہ: حاتم جیسے الفاظ سے مراد: وہ تمام الفاظ ہیں جو وصفی معنی پر دلالت کرتے ہیں، جیسے قاسم، ہاشم، شاہد، نسیم، بادِ بہاری وغیرہ جب ان کے ذریعہ کسی کا نام رکھ دیا جائے تو نام ہونے کی حالت میں وصفی معنی کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اخفش نے یہی اعتراض کیا ہے کہ جب تنکیر کے بعد سیبویہ وصفی معنی کا اعتبار کرتے ہیں تو چاہئے کہ نام ہونے کی حالت میں بھی اس کا اعتبار کریں اور ان سب الفاظ کو وصفیت اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف قرار دیں ـــــــ مگر ظاہر ہے اخفش کا یہ اعتراض صحیح نہیں۔ نام ہونے کی حالت میں وصفی معنی کا اعتبار کیسے کیا جا سکتا ہے۔ یہ تو حالتِ واحدۃ میں دو متضاد باتوں کا اعتبار کرنا ہے۔ اور نام ہونے کی حالت میں وصفی معنی کی طرف لوگوں کا ذہن

بھی نہیں جاتا۔

(۴) دوسرا قاعدہ: جب غیر منصرف پر الف لام آئیں یا اس کی دوسرے اسم کی طرف اضافت کی جائے تو حالت جری میں اس پر کسرہ آسکتا ہے۔ البتہ تنوین نہیں آسکتی، کیونکہ معرف باللام پر اور مضاف پر تنوین نہیں آتی جیسے فی المساجدِ، فی أحسنِ تقویمٍ (بہترین سانچے میں) أحسن: غیر منصرف ہے، وصف اور وزنِ فعل کی وجہ سے۔

ترجمہ: سارا باب یعنی تمام غیر منصرف لام کے ساتھ یا اضافت کے ساتھ کسرہ کے ذریعہ جر دیئے جاتے ہیں۔

مشقی سوالات

(۱) غیر منصرف کی عربی تعریف سناؤ

(۲) غیر منصرف کے نو اسباب کیا ہیں۔ اشعار مع امثلہ سناؤ

(۳) غیر منصرف کا حکم کیا ہے؟ عربی میں بیان کرو

(۴) غیر منصرف کو کن دو صورتوں میں منصرف پڑھنا جائز ہے؟

(۵) غیر منصرف کے کونسے اسباب: دو سببوں کے قائم مقام ہوتے ہیں؟

(۶) عدل کی عربی تعریف سناؤ اور عدل تحقیقی اور تقدیری کا مطلب مع امثلہ بیان کرو

(۷) عدل کے چھ وزن کیا ہیں؟ مع امثلہ سناؤ

(۸) وصف کا کیا مطلب ہے؟ اور اس کے لئے کیا شرطیں ہیں؟

(۹) مررتُ بنسوۃ أربع میں أربع منصرف ہے یا غیر منصرف؟ وجہ بیان کرو

(۱۰) أسود، أرقم اور أدھم کے کیا معنی ہیں؟ اور یہ منصرف ہیں یا غیر منصرف؟ وجہ بیان کرو

(۱۱) أفعی، أجدل اور أخیل کے کیا معنی ہیں؟ اور یہ منصرف ہیں یا غیر منصرف؟ اور کیوں؟

(۱۲) تانیث بالتاء اور تانیث معنوی کے لئے کیا شرط ہے؟ اور ثانی میں یہ شرط جوازی ہے یا وجوبی؟

(۱۳) تانیث معنوی میں تحتّم تاثیر کے لئے کیا شرط ہے؟ اور شرائط کی تفریعات بیان کرو

(۱۴) تانیث معنوی کے ذریعہ اگر کسی مذکر کا نام رکھ دیا جائے تو کیا حکم ہے؟ مع مثال بیان کرو

(۱۵) معرفہ کا کیا مطلب ہے؟ اور اس کے سبب بننے کے لئے کیا شرط ہے؟

(۱۶) عجمہ کا کیا مطلب ہے؟ اور اس کے لئے کیا شرطیں ہیں؟ اور نوح، شتر اور إبراهیم کا حکم بیان کرو

(۱۷) جمع کا کیا مطلب ہے؟ اور اس کے لئے کیا شرط ہے؟ اور فرازنة منصرف کیوں ہے؟

(۱۸) حَضَاجِر کے کیا معنی ہیں؟ اور وہ منصرف ہے یا غیر منصرف؟ اور کیوں؟

(۱۹) سراویل کا کیا حکم ہے؟ منصرف ہے یا غیر منصرف؟ اور کیوں؟

(۲۰) جمع ناقص واوی اور یائی کا کیا اعراب ہے، مثال کے ساتھ بیان کرو

(۲۱) ترکیب سے کونسی ترکیب مراد ہے؟ اور اس کے لئے کیا شرط ہے؟

(۲۲) الف نون زائدتان: اگر اسم ذات میں ہوں تو کیا شرط ہے؟ مع مثال بیان کرو

(۲۳) الف نون زائدتان: اگر اسم صفت میں ہوں تو کیا شرط ہے؟ مع مثال بیان کرو

(۲۴) رحمان، سکران اور ندمان کا حکم بیان کرو کہ منصرف ہیں یا غیر منصرف؟

اور کیوں؟

(۲۵) وزن فعل کے لئے کیا شرائط ہیں؟ اور وزن فعل کے اوزان کتنے ہیں مع امثلہ بیان کرو

(۲۶) أحمر: غیر منصرف اور یعمل: منصرف کیوں ہیں؟ وجہ بیان کرو

(۲۷) قاعدة: ما فيه علمية مؤثرة: إذا نُكِّر صُرِفَ کی وضاحت کرو

(۲۸) وہ کونسے اسباب ہیں جن کو نکرہ بنانے کے بعد ان کی سببیت بالکلیہ ختم ہو جاتی ہے

(۲۹) عدل اور وزن فعل کا اس سلسلہ میں کیا حکم ہے؟ کیا یہ دونوں ایک اسم میں جمع ہو سکتے ہیں؟

(۳۰) سیبویہ نے اخفش سے کس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے اور وہ اختلاف کیا ہے مفصل بیان کرو

(۳۱) سیبویہ پر حاتم کے قبیل کے الفاظ سے کیا اعتراض وارد ہوتا ہے اور اس کا جواب کیا ہے؟

(۳۲) جب کسی بھی غیر منصرف پر الف ولام آجائیں یا اس کی اضافت کردی جائے تو کیا حکم ہے؟
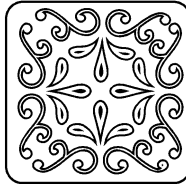
المرفوعات[1]

هو: ما اشْتَمَلَ على عَلَمِ الفاعلية.

[۱-] فمنه الفاعل:[2]

وهو: ما أُسْنِدَ إليه الفعلُ، أو شِبْهُهُ، وقُدِّمَ عليه: على جهة قيامه به، مِثْلُ: قام زيد، وزيدٌ قائمٌ أبوه.

[قاعدة] والأصلُ أن يَلِيَ الفعلَ، فلذلك: جاز: ضرب غلامَه زيدٌ، وامْتَنَعَ ضرب غلامُه زيدًا.[3]

[قاعدة] وإذا انتفى الإعراب فيهما لفظاً، والقرينةُ، أوكان مُضْمَرًا متصلاً، أو وقع مفعولُه بعدَ إلا أو معناها: وَجَبَ تقديمه.[4]

مرفوعات کا بیان

پہلا مرفوع: فاعل

(۱) مرفوعات: یعنی وہ اسماء جو فاعل ہونے کی نشانی (پیش) پر مشتمل ہیں۔ مرفوعات آٹھ ہیں: فاعل، نائب فاعل، مبتدا، خبر، حروف مشبہ بالفعل کی خبر، افعالِ ناقصہ کا اسم (مصنفؒ نے اس کو بیان نہیں کیا، کیونکہ مفصل میں زمخشریؒ نے اس کو منصوبات میں ذکر کیا ہے) ما اور لا مشابہ بہ لیس کا اسم، اور لائے نفی جنس کی خبر۔

(۲) فاعل: وہ اسم ہے جس کی طرف کسی فعل یا شبہ فعل کی نسبت کی گئی ہو اور اس فعل یا شبہ فعل کو پہلے لایا گیا ہو اور وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم کے ذریعہ وجود میں آیا ہو۔ جیسے قام زید اور قیامُ زیدٍ میں زید کی طرف فعل قام اور مصدر قیام کی نسبت کی گئی

ہے،اور کھڑا ہونا زید کے ذریعہ وجود میں آیا ہے اس لئے زید فاعل ہے ـــــــ شِبہ فعل پانچ ہیں: اسم فاعل، اسم مفعول، اسم تفضیل، صفتِ مشبّہ اور مصدر۔ یہ سب فعل کی طرح عمل کرتے ہیں اور عام طور پر اپنے پہلے معمول کی طرف مضاف ہوتے ہیں۔ جیسے قیامُ زیدٍ میں مصدر قیام فاعل کی طرف مضاف ہے۔

ترجمہ: فاعل: وہ اسم ہے جس کی طرف فعل یا اس کے مشابہ (مانند) کی نسبت کی گئی ہو اور اس کو فاعل سے پہلے لایا گیا ہو۔ فعل کے فاعل کے ذریعہ قیام (وجود پذیر ہونے) کی جہت سے یعنی وہ فعل اس فاعل کے ذریعہ وجود میں آیا ہو، جیسے زید کھڑا ہوا، اور زید کا باپ کھڑا ہونے والا ہے۔

(۳) قاعدہ: اصل یہ ہے کہ فاعل فعل سے متصل آئے یعنی مفعول سے مقدم آئے اسی ضابطہ سے ضرب غلامَه زید کہنا درست ہے، یعنی زید نے اپنے غلام کو مارا۔ اس میں زید فاعل ہے، جملہ میں اگر چہ وہ مفعول کے بعد آیا ہے، مگر اس کا رتبہ مقدم ہے اس لئے اس کی طرف غلامَه کی ضمیر لوٹ سکتی ہے۔ یہ اضمار قبل الذکر نہیں اور ضرب غلامُه زیداً کہنا درست نہیں، یعنی زید کے غلام نے زید کو مارا، کیونکہ غلامُه کی ضمیر زیداً کی طرف لوٹتی ہے جو مفعول بہ ہے، جو لفظاً اور رتبۃً مؤخر ہے اس لئے یہ اضمار قبل الذکر ہے اور ناجائز ہے (وَلِيَهُ يَلِيْهِ وَلْيًا: قریب ہونا، متصل ہونا)

(۴) قاعدہ: تین صورتوں میں فاعل کو مفعول بہ سے پہلے لانا واجب ہے:

(۱) جب فاعل اور مفعول دونوں اسم مقصور ہوں اور اشتباہ کا اندیشہ ہو، جیسے ضرب موسی عیسی (موسیٰ نے عیسیٰ کو مارا) اور اگر اشتباہ کا اندیشہ نہ ہو تو تقدیم واجب نہیں۔ جیسے أكل الكُمَّثْرىٰ موسى: موسیٰ نے ناسپاتی کھائی۔ ناسپاتی مفعول ہی ہوسکتی ہے خواہ پہلے آئے یا بعد میں۔

(۲) جب فاعل ضمیر مرفوع متصل ہو، جیسے ضربتُ زیداً۔

(۳) جب مفعول إلا یا اس کے ہم معنی کلماتِ حصر کے بعد آئے یعنی مفعول کا

حصر کرنا مقصود ہو، جیسے ما ضرب زیدٌ إلا عَمْراً (زید نے عمرو ہی کو مارا)

ترجمہ: اور جب دونوں میں اعراب منتفی ہو یعنی فاعل ومفعول دونوں میں اعراب باعتبار لفظ کے منتفی ہو اور قرینہ نہ ہو جس سے معلوم ہو سکے کہ فاعل کون ہے اور مفعول کون ہے یا فاعل ضمیر متصل ہو یا اس کا مفعول إلا یا اس کے ہم معنی کلماتِ حصر کے بعد آیا ہو، تو فاعل کو پہلے لانا واجب ہے۔ (والقرينةُ کا عطف الإعرابُ پر ہے)

[قاعدة] وإذا اتَّصَلَ به ضميرُ مفعولٍ، أو وقع بعد إلا أو معناها، أو اتَّصَلَ به مفعولُه، وهو غيرُ متصلٍ: وجب تأخيره.

قاعدہ: تین صورتوں میں فاعل کو مفعول بہ کے بعد لانا ضروری ہے:

(۱) جب فاعل کے ساتھ ایسی ضمیر لگی ہوئی ہو جو مفعول کی طرف لوٹتی ہو، جیسے ضرب زيداً غلامُه۔

(۲) جب فاعل إلا کے بعد یا اس کے ہم معنی کلماتِ حصر کے بعد آئے یعنی اس کا حصر کرنا مقصود ہو، جیسے ما ضرب عَمْرًا إلا زيدٌ۔

(۳) فعل کے ساتھ مفعول کی ضمیر ملی ہوئی ہو اور فاعل ضمیر غیر متصل ہو، جیسے ضربكَ زيدٌ: تو فاعل کو مؤخر لانا واجب ہے۔

ترجمہ: اور جب فاعل کے ساتھ مفعول کی ضمیر ملی ہوئی ہو، یا فاعل إلا یا اس کے ہم معنی حروف کے بعد آئے یا فعل کے ساتھ اس کا مفعول ملا ہوا ہو اور فاعل ملا ہوا نہ ہو تو فاعل کی تاخیر ضروری ہے۔

[قاعدة] وقد يُحْذَفُ الفعلُ لقيامِ قرينة:[1]
[الف] جوازاً في مثلِ: زيدٌ، لمن قال: من قام؟
شعرٌ[2]:
وَلْيُبْكَ يزيدُ: ضَارِعٌ لِخُصُوْمَةٍ ۞ ومُخْتَبِطٌ مِمَّا تُطِيْحُ الطَّوَائِحُ

[ب] ووجوباً: في مثل: ﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ﴾(۳)
[قاعدة] وقد يُحْذَفَانِ معاً: في مثلِ: نعم، لمن قال: أقام زيدٌ؟(٤)

(۱) قاعدہ: قرینہ کی موجودگی میں فاعل کا فعل حذف کیا جاتا ہے: جوازاً بھی اور وجوباً بھی —— جوازاً حذفِ فعل کی مصنف رحمہ اللہ نے دو مثالیں دی ہیں: پہلی مثال: کسی نے پوچھا: من قام؟ کون کھڑا ہوا؟ آپ نے جواب دیا: زیدٌ تو یہاں قام محذوف ہے، اور حذف کا قرینہ سوال محقّق (واقعی سوال) ہے۔

(۲) جوازِ حذف کی دوسری مثال: ایک شاعر اپنے بھائی یزید کا مرثیہ کہتا ہے:

وَلْيُبْكَ يزيدُ: ضَارِعٌ لِخُصُوْمَةٍ ۞ ومُخْتَبِطٌ مِمَّا تُطِيْحُ الطَّوَائِحُ

ترجمہ: چاہئے کہ رویا جائے یزید! (کون روئے؟ روئے اس کو) جھگڑے کے وقت عاجز رہ جانے والا÷ اور آفات میں ہلاک ہونے سے بے وسیلہ سوال کرنے والا۔ یعنی دو شخص اس کو روئیں: ایک: جھگڑے کے وقت مدد چاہنے والا، دوسرا: سخت آفات میں بے وسیلہ تعاون کی درخواست کرنے والا۔ کیونکہ یزید ان دونوں کی مدد کیا کرتا تھا۔ اس شعر میں ضارع سے پہلے يَبْكِي محذوف ہے اور قرینہ سوال مقدر یعنی فرضی سوال ہے، اور مختبط کا عطف ضارع پر ہے۔ ضارع: عاجز رہ جانے والا۔ لخصومة: لام وقتیہ ہے مُخْتَبِطٌ: آفات میں ہلاک ہونے والا، مما میں ما مصدریہ ہے أطاحه: ہلاک کرنا طائحة: آفت۔

(۳) اور وجوباً فعل محذوف ہونے کی مثال سورۃ توبہ کی آیت ٦ ہے: ﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ﴾ یعنی اور اگر کوئی شخص مشرکین میں سے آپؐ سے پناہ کا طلب گار ہو۔ یہاں أحد سے پہلے استجارك محذوف ہے اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ إِنْ حرف شرط فعل ہی پر داخل ہوتا ہے اور فی مثل سے مراد ما أُضمر عامله علی شریطة التفسیر ہے یعنی بعد میں تفسیر کرنے والا فعل آرہا ہو تو پہلی جگہ فعل کو

مقدر ماننا ضروری ہے۔

(۴) قاعدہ: اگر قرینہ موجود ہو تو فعل اور فاعل دونوں کو حذف کرنا بھی جائز ہے، جیسے کسی نے پوچھا: أقام زید؟ کیا زید کھڑا ہوا؟ آپ نے جواب دیا: نعم: ہاں! یہاں قام زید محذوف ہے أی نعم قام زید۔

[تنازُعِ الفعلانِ (۱)]

وإذا تنازع الفِعلانِ ظاهراً بعدَهما، فقد يكون:

[الف] **في الفاعلية، مثلُ: ضربني وأكرمني زيد.**

[ب] **وفي المفعولية، نحوُ: ضربتُ وأكرمتُ زيدًا.**

[ج ود] **وفي الفاعلية والمفعولية مختلِفين.**

فيختار البصريون إعمالَ الثاني، والكوفيون الأولَ:

[الف] **فإن أعلمتَ الثانيَ أَضْمَرْتَ الفاعلَ في الأول على وَفْقِ الظاهر دون الحذفِ، خلافاً للكِسَائِيِّ ـــــ وجاز خلافاً للفراء ـــــ وحذفتَ المفعولَ إن اسْتُغْنِيَ عنه، وإلا أظهرتَ.(۲)**

[ب] **وإن أعملت الأول أضمرتَ الفاعلَ في الثاني، والمفعولَ على المختار، إلا أن يمنعَ مانع فَتُظْهِرَ.(۳)**

[فائدة] **وقولُ امْرَءِ القَيْسِ: ع: كَفَانِيْ ولم أَطْلُبْ قليلٌ من المال: ليس منه، لفساد المعنى.(٤)**

تنازع فعلان کا بیان

(۱) تنازُع کے لغوی معنی ہیں: جھگڑا کرنا اور اصطلاحی معنی ہیں: دو یا زیادہ فعلوں یا شبہ فعلوں کا اس اسم ظاہر کو معمول بنانے میں جھگڑا کرنا جو ان کے بعد آ رہا ہے۔

تنازع فعلان کی چار صورتیں ہیں: (الف) دونوں فعل اس اسم ظاہر کو فاعل بنانا چاہیں، جیسے ضربنی وأکرمنی زیدٌ (ب) دونوں اس کو مفعول بنانا چاہیں، جیسے ضربتُ وأکرمتُ زیداً (ج) اول فاعل بنانا چاہے دوسرا مفعول، جیسے ضربنی وأکرمت زیداً (د) اول مفعول اور دوم فاعل بنانا چاہے جیسے ضربت وأکرمنی زید۔

ایسے نزاع کی صورت میں بصری نُحات دوسرے فعل کو عمل دینا بہتر سمجھتے ہیں کیونکہ وہ اس اسم ظاہر سے قریب ہے اور کوفی نحات اول کو عمل دینا بہتر کہتے ہیں، کیونکہ وہ پہلا ہے اور پہلے کا حق پہلا ہے۔ اور جائز دونوں میں سے کسی کو بھی عامل بنانا ہے۔

(۲) اگر بصریوں کے مذہب کے مطابق دوسرے فعل کو عامل بنائیں اور پہلا فعل فاعل کو چاہتا ہو تو اس کے لئے اسم ظاہر کے مطابق ضمیر لائیں گے، فاعل کو حذف نہیں کریں گے۔ اس میں کسائی کا اختلاف ہے، ان کے نزدیک اس صورت میں فاعل کو حذف کرنا ضروری ہے، کیونکہ مرجع سے پہلے ضمیر لانا جائز نہیں چنانچہ وہ ضربانی وأکرمنی الزیدان میں ضربنی وأکرمنی الزیدان کہیں گے، پہلے فعل میں ضمیر کو حذف کریں گے۔

اور پہلا فعل فاعل بنانا چاہ رہا ہو تو بھی دوسرے فعل کو عمل دینا جائز ہے مگر اس میں فرّاء کا اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک جب پہلا فعل فاعل بنانا چاہ رہا ہو تو اسی کو عمل دینا ضروری ہے، دوسرے فعل کو عمل دینا جائز نہیں۔

اور اگر پہلا فعل مفعول بنانا چاہتا ہے اور مفعول کے بغیر کام چل سکتا ہے یعنی مفعول افعالِ قلوب میں سے نہیں ہے۔ تو بصریوں کے نزدیک اس کو حذف کریں گے اور اگر کام نہ چل سکتا ہو، اس لئے کہ وہ مفعول افعالِ قلوب میں سے ہے تو پھر پہلے فعل کے مفعول کو ظاہر کریں گے یعنی اس کے لئے اسم ظاہر لائیں گے۔ جیسے حَسَبَنِیْ منطلقاً وحسبتُ زیداً منطلقاً۔

(۳) اور اگر کوفیوں کے مذہب کے مطابق پہلے فعل کو عمل دیں اور دوسرا فعل: فاعل چاہ رہا ہو تو اس کے لئے ضمیر لائیں گے اور اگر مفعول چاہ رہا ہو تو اس کے لئے ضمیر لانا بہتر ہے اور حذف کرنا بھی جائز ہے۔ جیسے ضربني وأكرمتُه/ وأكرمتُ زيدٌ البتہ اگر مفعول افعالِ قلوب میں سے ہو تو پھر اس کو ظاہر کرنا ضروری ہے۔ جیسے **حسبني وحسبتُهما منطلقين الزيدان منطلقاً۔**

ترجمہ: پس اگر آپ دوسرے فعل کو عامل بنائیں تو پہلے فعل میں اسم ظاہر کے مطابق فاعل کے لئے ضمیر لائیں، حذف نہ کریں (اس لئے کہ عمدہ کا حذف جائز نہیں) اس میں کسائی کا اختلاف ہے (ان کے نزدیک فاعل کو حذف کرنا ضروری ہے) اور دوسرے فعل کو عامل بنانا جائز ہے اس میں فراء کا اختلاف ہے۔ اور مفعول کو حذف کر دیں اگر اس کی ضرورت نہ ہو ورنہ آپ ظاہر کریں ——— اور اگر آپ پہلے فعل کو عامل بنائیں تو دوسرے فعل میں فاعل کی اور مفعول کی ضمیریں لائیں مختار قول کے مطابق، مگر یہ کہ کوئی مانع ہو تو اس کو ظاہر کریں یعنی فاعل اور مفعول: افعالِ قلوب کے ہوں تو ان میں سے ایک کو حذف کرنا جائز نہیں پس اس کو ظاہر کریں۔

(۴) یہ کوفیوں کی دلیل کا جواب ہے۔ کوفی کہتے ہیں: امرأالقیس نے جو عرب کا مانا ہوا شاعر ہے تنازع کی صورت میں پہلے فعل کو عامل بنایا ہے، معلوم ہوا یہی بہتر ہے۔ وہ کہتا ہے: كَفَاني ولم أَطلب قليلٌ من المال: میرے لئے تھوڑا مال کافی ہو جاتا اور میں طلب نہ کرتا۔ اس میں قليلٌ من المال کو كفاني فاعل بنانا چاہتا ہے اور لم أطلب مفعول بنانا چاہتا ہے، شاعر نے پہلے فعل کا فاعل بنایا ہے، دوسرے فعل کا مفعول نہیں بنایا، ورنہ وہ قليلاً من المال کہتا۔

مصنف رحمہ اللہ نے اس استدلال کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ مصرع تنازع فعلان کے باب سے نہیں ہے۔ اگر اس کو باب تنازع سے قرار دیا جائے گا تو معنی بگڑ جائیں گے، کیونکہ پورا شعر اس طرح ہے:

ولو أنّما أَسْعٰى لِأَدْنٰى معيشةٍ ۞ كفانى ولم أطلب قليل من المال

ترجمہ: اور اگر میں معمولی معیشت کے لئے کوشش کرتا÷تو تھوڑا مال میرے لئے کافی تھا اور میں (بہت مال کے لئے) دوڑ دھوپ نہ کرتا ـــــ اگلا شعر ہے:

ولکنما أَسْعٰى لِمَجْدٍ مُؤَثَّلٍ ۞ وقد يُدْرِكُ الْمَجْدَ الْمُؤَثَّلَ أَمْثَالِي

(بلکہ میں پائدار بزرگی کے لئے کوشش کرتا ہوں÷ اور کبھی پائدار بزرگی میرے جیسا آدمی پالیتا ہے) اور پائدار بزرگی حاصل کرنے کے لئے بڑی دولت کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے میں بڑی دولت حاصل کرنے کی سعی کررہا ہوں پس لم أطلب کا مفعول کثیراً من المال محذوف ہے جس کا قرینہ بعد والا شعر ہے۔ اگر قلیل من المال کو لم أطلب کا مفعول بنائیں گے تو تضاد ہوجائے گا یعنی تھوڑا مال کافی ہوجاتا اور پائدار بزرگی حاصل کرنے کے لئے تھوڑا مال تلاش نہ کرتا یہ کیا بات ہوئی! کیونکہ پائدار بزرگی کے لئے تھوڑا مال کافی نہیں ہوتا، اس کے لئے ڈھیروں مال چاہئے۔

[٢- مفعولُ مالم يُسَمَّ فاعلُه]

مفعولُ مالم يُسَمَّ فاعلُه: كلُّ مفعولٍ حُذِفَ فاعلُه، وأُقِيْمَ هو مقامَه[١].

وشرطُه: أن تُغَيَّرَ صيغةُ الفعلِ إلى فُعِلَ أو يُفْعَلُ.[٢]

[قاعدة] ولا يقع المفعول الثانى من باب علمتُ، والثالثُ من باب أعلمتُ، والمفعول له والمفعول معه كذلك.[٣]

[قاعدة] وإذا وُجِدَ المفعولُ به تَعَيَّنَ له، تقول: ضُرِبَ زيدٌ يومَ الجمعة أمامَ الأمير ضرباً شديداً فى داره: فتعيَّن زيدٌ؛ وإن لم يكن فالجميعُ سواءٌ.[٤]

[قاعدة] والأولُ من باب أعطيتُ أولى من الثانى.[٥]

۲-اس فعل کا مفعول جس کے فاعل کا نام نہیں لیا گیا

یعنی نائب فاعل کا بیان

(۱)مفعول مالم یسم فاعلہ: ہر وہ مفعول ہے جس کا فاعل حذف کیا گیا ہو اور اس کے مفعول کو فاعل کا قائم مقام کیا گیا ہو۔اس لئے اس کو ''نائب فاعل'' کہتے ہیں۔ نائب فاعل: فعل مجہول ہی کا آتا ہے۔

(۲)اور مفعول مالم یسم فاعلہ کے لئے شرط یہ ہے کہ فعل کا صیغہ فُعِلَ یا یُفْعَلُ سے بدل دیا جائے یعنی فعل کو مجہول بنایا جائے تبھی اس کا نائب فاعل آئے گا۔

(۳) قاعدہ: چار مفعول: نائب فاعل نہیں بن سکتے:(۱) باب علمتُ یعنی متعدی بدو مفعول کا مفعول ثانی (۲) باب أعلمتُ یعنی متعدی بسہ مفعول کا مفعولِ ثالث (۳)مفعول لہ جو لام کے بغیر ہو (۴)مفعول معہ۔ یہ چاروں نائب فاعل نہیں بن سکتے۔

(۴) قاعدہ: دیگر تمام مفعول: نائب فاعل بن سکتے ہیں۔البتہ اگر ان میں مفعول بہ موجود ہو تو اسی کو نائب فاعل بنانا چاہئے۔اور اگر مفعول بہ موجود نہ ہو تو پھر جس کو چاہیں نائب فاعل بنائیں۔کتاب کی مثال میں زید مفعول بہ ہے اس لئے اسی کو نائب فاعل بنایا گیا ہے۔اگر وہ نہ ہوتا تو باقی کسی کو بھی نائب فاعل بنا سکتے تھے۔یوم الجمعة: مفعول فیہ ظرف زمان ہے اور أمام الأمير: مفعول فیہ ظرف مکان ہے، ضرباً شديداً: مفعول مطلق ہے اور فی دارہ: ظرف ہے۔

(۵) قاعدہ: باب أعطيتُ یعنی متعدی بسہ مفعول کے پہلے دو مفعولوں کو نائب فاعل بنایا جا سکتا ہے، پھر ان میں سے بھی پہلے مفعول کو نائب فاعل بنانا اولیٰ ہے۔

ترجمہ: مفعول مالم یسم فاعلہ: ہر وہ مفعول ہے جس کا فاعل حذف کیا گیا ہو اور

اس کو فاعل کی جگہ میں رکھا گیا ہو ـــــ اور اس کی شرط: یہ ہے کہ فعل کا صیغہ فُعِلَ یا یُفْعَلُ کی طرف بدل دیا جائے ـــــ (قاعدہ) اور باب علمتُ کا مفعول ثانی اور باب أعلمتُ کا مفعول ثالث نائب فاعل واقع نہیں ہوتا اور مفعول لہ اور مفعول معہ کا بھی یہی حال ہے ـــــ (قاعدہ) اور جب مفعول بہ پایا جائے تو وہ نائب فاعل بننے کے لئے متعین ہے، کہیں گے آپ: ''زید مارا گیا جمعہ کے دن امیر کے سامنے سخت مار اس کے گھر میں'' پس زید متعین ہو گیا اور اگر مفعول بہ نہ ہو تو سب یکساں ہیں ـــــ (قاعدہ) اور باب أعطیتُ کا پہلا مفعول دوسرے سے اولیٰ ہے۔

[٣-٤] ومنها المبتدأ والخبر:

فالمبتدأ[١]: هو الاسم المُجَرَّدُ عن العوامل اللفظية، مُسْنَدًا إليه؛ أو الصفةُ الواقعةُ بعد حرف النفى، أو ألفِ الاستفهام، رافعةً لظاهر، مثل: زيد قائم، وما قائم الزيدانِ، وأقائم الزيدانِ؟

فإن طابقت مفرداً جاز الأمرانِ.

والخبر: هو المُجَرَّدُ المُسْنَدُ به، المغاير للصفة المذكورة.[٢]

[قاعدة] وأصلُ المبتدأ التقديم؛ ومن ثَمَّ جاز: فى داره زيد؛ وامتنعَ: صاحبها فى الدار.[٣]

(۳و۴) مبتدا اور خبر کا بیان

(۱) مبتدا کی تعریف: (الف) مبتدا وہ اسم ہے جو عوامِلِ لفظیہ سے خالی ہو اور اس کی طرف کوئی چیز منسوب کی گئی ہو، جیسے زید قائم میں زید مبتدا ہے کیونکہ اس کی طرف قیام منسوب کیا گیا ہے (ب) یا وہ ایسا صفت کا صیغہ ہو جو حرف نفی یا ہمزہ استفہام کے بعد آیا ہو، اور وہ اپنے بعد آنے والے اسم ظاہر کو رفع دے رہا ہو۔

جیسے ماقائمُ الزیدان: دو زید کھڑے نہیں۔اور أقائم الزیدان: کیا دو زید کھڑے ہیں؟

ترکیب: اگر صفت کا صیغہ اور اسم ظاہر دونوں مفرد ہوں تو دو ترکیبیں ہوسکتی ہیں: (۱) صیغۂ صفت مبتدا، اور اس کا مابعد فاعل قائم مقام خبر (۲) صیغۂ صفت خبر مقدم اور مابعد مبتدا مؤخر۔

(۲) خبر کی تعریف: خبر وہ اسم ہے جو عواملِ لفظیہ سے خالی ہو اور اس کو کسی دوسری چیز کی طرف منسوب کیا گیا ہو اور مبتدا کی دوسری تعریف میں جس صیغۂ صفت کا ذکر ہے اس کے علاوہ ہو۔ کیونکہ وہ بھی مسند بہ ہوتی ہے مگر مبتدا ہوتی ہے۔

(۳) قاعدہ: اصل یہ ہے کہ مبتدا: خبر سے پہلے آئے، پس فی دارہ زید کہنا درست ہے کیونکہ ضمیر زید کی طرف لوٹے گی اور وہ اگرچہ لفظاً بعد میں ہے مگر رتبۃً مقدم ہے اس لئے ضمیر اس کی طرف لوٹ سکتی ہے اور صاحِبُها فی الدار کہنا درست نہیں کیونکہ ضمیر کا مرجع لفظاً اور رتبۃً مؤخر ہے۔

[قاعدة] وقد يكون المبتدأُ نكرةً إذا تَخَصَّصَتْ بوجهٍ مَّا، مثلُ:[1]

[الف] ﴿وَلَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خيْرٌ مِّنْ مُشْرِكٍ﴾

[ب] وأرجلٌ في الدار أمِ امرأةٌ؟

[ج] وما أحدٌ خير منك.

[د] وشَرٌّ أَهَرَّ ذَانَابٍ.

[ه] وفي الدار رجلٌ.

[و] وسلامٌ عليك.

(۱) قاعدہ: مبتدا معرفہ ہوتا ہے، لیکن کبھی نکرہ بھی مبتدا بنتا ہے، مگر نکرہ کے مبتدا بننے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں کسی طرح سے تخصیص ہو جائے۔ مصنف رحمہ اللہ نے چھ مثالیں دی ہیں جن میں مختلف طرح سے تخصیص ہوئی ہے اس لئے ان کا مبتدا

بننا درست ہوا ہے۔

(الف) ولعبد إلخ اور یقیناً مؤمن غلام مشرک سے بہتر ہے۔ اس میں عبد مؤمن مبتدا اور خیر خبر ہے۔ اور عبد کی چونکہ صفت مؤمن آئی ہے اس لئے عموم باقی نہیں رہا اور اس کا مبتدا بننا صحیح ہو گیا۔

(ب) أرجل إلخ کیا گھر میں مرد ہے یا عورت؟ متکلم جانتا ہے کہ گھر میں کوئی ہے مگر مرد ہے یا عورت؟ یہ نہیں جانتا۔ پس اس کی تعیین چاہتا ہے۔ یہ تخصیص ہوگئی اس لئے رجل مبتدا ہے أم: حرف عطف ہے، امرأة کا رجل پر عطف ہے اور فی الدار: خبر ہے۔

(ج) ما أحد إلخ آپ سے بہتر کوئی نہیں۔ اس میں أحد: مبتدا ہے اور خیر: خبر ہے، أحد: نکرہ تحت النفی ہے اور نکرہ نفی کے بعد عام ہوتا ہے اور عام کفردٍ واحد ہوتا ہے یہ تخصیص ہوئی اس لئے نکرہ کا مبتدا بننا درست ہو گیا۔

(د) شر إلخ کسی بڑی برائی نے کتّے کو بھونکایا ہے۔ گھر والوں نے باہر کتّے کا بھونکنا سنا وہ خطرناک انداز پر بھونک رہا تھا، اس وقت انھوں نے یہ جملہ کہا یعنی کوئی خطرناک بات پیش آئی ہے۔ کتّے کا بھوکنے کا انداز اس کی غمازی کررہا ہے، پس شَرٌّ کی تنوین تعظیم کی ہے جس سے تخصیص پیدا ہوئی اور نکرہ کا مبتدا بننا درست ہوا۔ أَهَرَّ: فعل ماضی ہے اور ذاناب فاعل ہے، پھر جملہ فعلیہ خبر ہے۔ نَابْ: کچلیاں، نوکیلے دانت۔

(ہ) فی الدار إلخ گھر میں کوئی مرد ہے۔ یہاں خبر کی تقدیم سے نکرہ میں تخصیص پیدا ہوئی اس لئے اس کا مبتدا بننا درست ہوا۔

(و) سلام علیك: میرا آپ کو سلام۔ یہاں یائے متکلم محذوف ہے اس لئے سلام خاص ہو گیا اور اس کا مبتدا بننا درست ہوا۔

یہ چند مثالیں ہیں جن میں مختلف طرح سے تخصیص ہوئی ہے، اسی طرح کسی اور

طرح بھی تخصیص ہوسکتی ہے۔غرض کسی بھی طرح سے نکرہ میں تخصیص ہوجائے تو وہ مبتدا بن سکتا ہے ورنہ نہیں۔

[قاعدة] والخبر: قد يكون جملةً، مثلُ: زيدٌ أبوه قائم، وزيد قام أبوه؛ فلابد من عائد، وقد يُحْذَفُ.(١)

[قاعدة] وما وَقَعَ ظرفًا، فالأكثر على أنه مقدَّرٌ بجملة.(٢)

[قاعدة] وإذا كان المبتدأُ:(٣)

[الف] مشتَمِلاً على ماله صدرُ الكلام، مثلُ: من أبوك؟

[ب] أو كانا معرِفَتَيْنِ.

[ج] أو متساوِيَيْنِ، نحوُ: أفضلُ منك أفضلُ منى.

[د] أو كان الخبر فعلاً له، مثلُ: زيد قام.

وجب تقديمُه.

[قاعدة]

[الف] وإذا تَضَمَّنَ الخبر المفردُ مَالَهُ صدرُ الكلام، مثلُ: أين زيدٌ؟(٤)

[ب] أو كان مُصَحِّحًا له، مثلُ: فى الدار رجلٌ.

[ج] أو لمتعلِّقِهِ ضميرٌ فى المبتدأ، مثلُ: على التمرة مثلُها زُبْدًا.

[د] أو كان خبراً عن: "أَنَّ"، مثلُ: عندى أنك قائم.

وجب تقديمُه.

(١) **قاعدہ**: خبر: کبھی جملہ اسمیہ ہوتی ہے، جیسے زيدٌ أبوه قائم: زید اس کا باپ کھڑا ہونے والا ہے۔زید: مبتدا، أبوه قائم: مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہوکر زید کی خبر ـــــ اورخبر کبھی جملہ فعلیہ ہوتی ہے، جیسے زيد قام أبوه: زید: اس کا باپ کھڑا ہوا

قام أبوه: فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہوکر زید کی خبر ہیں ـــــ اور جب جملہ خبر ہوتو ضروری ہے کہ اس میں کوئی ضمیر وغیرہ ہو جو مبتدا کی طرف لوٹے اور یہ عائد کبھی حذف بھی کیا جاتا ہے جبکہ قرینہ موجود ہو، جیسے البُرُّ الکُرُّ بستین درھما: گیہوں: اس کا ایک کر ساٹھ درہم میں ہے۔ یہاں منه پوشیدہ ہے، کیونکہ گیہوں کا تاجر گیہوں ہی کا بھاؤ بتائے گا۔(عائد: ضمیر کے علاوہ الف لام عہدی بھی ہوتا ہے ضمیر کی جگہ اسم ظاہر بھی لایا جاتا ہے اور خبر: مبتدا کی تفسیر ہو تو یہ بھی عائد کے قائم مقام ہوتا ہے)

(۲) قاعدہ: خبر: اگر ظرف زمان یا ظرف مکان یا جار مجرور ہو تو اکثر نحوی یعنی بصری نحوی اس کو جملہ بناتے ہیں اور فعل مقدر مانتے ہیں۔ اور کوفی نحوی اسم فاعل وغیرہ مقدر مانتے ہیں اور مفرد بناتے ہیں جیسے زید فی الدار کی تقدیر بصریوں کے نزدیک زیدٌ اسْتَقَرَّ فی الدار ہے، اور کوفیوں کے نزدیک زید ثابت فی الدار ہے (ہمارے دیار میں کوفیوں کی رائے مقبول ہے)

(۳) قاعدہ: چار صورتوں میں مبتدا کو خبر سے پہلے لانا ضروری ہے:

(۱) جب مبتدا ایسے لفظ پر مشتمل ہو جو صدارتِ کلام کو چاہتا ہو، جیسے حرفِ استفہام: کلام کے شروع ہی میں آسکتا ہے جیسے من أبوك؟ تیرا باپ کون ہے؟ اس میں من: مبتدا اور أبوك خبر ہے۔

(۲) جب مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں اور مبتدا کی تعیین کا کوئی قرینہ نہ ہو، جیسے زید المنطلق: زید چلنے والا ہے یا چلنے والا زید ہے۔ اس میں دونوں معرفہ ہیں اور دونوں مبتدا بن سکتے ہیں ایسی صورت میں مبتدا کو پہلے لانا ضروری ہے پس ترجمہ ہوگا: زید چلنے والا ہے، دوسرا ترجمہ نہیں ہوگا۔

(۳) مبتدا اور خبر تخصیص میں برابر ہوں جیسے أفضلُ منك أفضلُ منی: جو شخص تجھ سے بہتر ہے وہ مجھ سے بہتر ہے اس میں اصلِ تخصیص میں دونوں برابر ہیں اس لئے مبتدا کی تقدیم واجب ہے تا کہ التباس نہ ہو۔

(۴) مبتدا کی خبر ایسا کام ہو جو مبتدا سے وجود میں آیا ہو جیسے زید قام: یہاں مبتدا کی تقدیم اس لئے واجب ہے کہ فاعل سے التباس نہ ہو ـــــ ان چاروں صورتوں میں مبتدا کو پہلے لانا واجب ہے۔

(۳) قاعدہ: چار صورتوں میں خبر کو پہلے لانا ضروری ہے:

(۱) جب خبر مفرد کلمہ ہو اور وہ صدارتِ کلام کو چاہتا ہو، جیسے أین زید؟ زید کہاں ہے؟ اس میں أین خبر مقدم ہے، کیونکہ وہ حرف استفہام ہے جو صدارتِ کلام کو چاہتا ہے۔ حرف استفہام کے لئے شروع کلام میں آنا ضروری ہے۔

(۲) خبر کی تقدیم ہی سے مبتدا کا مبتدا بننا درست ہوا ہو جیسے فی الدار رجل: گھر میں کوئی آدمی ہے۔ اس میں رجل نکرہ ہے وہ اسی وقت مبتدا بن سکتا ہے جب اس کی خبر مقدم ہو اور تقدیم سے نکرہ میں تخصیص پیدا ہو۔

(۳) خبر سے تعلق رکھنے والی کسی چیز کی طرف لوٹنے والی ضمیر مبتدا میں ہو جیسے علی التمرة مثلُها زُبداً: کھجور پر اس کے بقدر مکھن ہے اس میں خبر: ثابت علی التمرة: ہے اور تمرة کی طرف لوٹنے والی ضمیر مثلُھا میں ہے جو مبتدا ہے۔ اس صورت میں خبر کی تقدیم اس لئے ضروری ہے کہ اضمار قبل الذکر لازم نہ آئے۔

(۴) جب أَنَّ اپنے اسم و خبر کے ساتھ مل کر بتاویل مفرد ہو کر مبتدا واقع ہو تو اس کی خبر کی تقدیم ضروری ہے جیسے عندی أنك قائم: میرے نزدیک یہ بات ہے کہ آپ کھڑے ہیں۔ یہاں اگر مبتدا کو پہلے لائیں گے تو اَنَّ مفتوحہ اِنَّ مکسورہ ہو جائے گا۔ کیونکہ شروع کلام میں اِنَّ مکسورہ ہی آتا ہے۔ اَنَّ مفتوحہ درمیان کلام ہی میں آتا ہے ـــــ ان چاروں صورتوں میں خبر کو پہلے لانا واجب ہے۔

ترجمہ: قاعدہ: اور خبر: کبھی جملہ ہوتی ہے جیسے...... پس ضروری ہے لوٹنی والی چیز، اور وہ کبھی حذف کی جاتی ہے........... قاعدہ: اور وہ خبر جو ظرف واقع ہو، پس اکثر نحوی اس بات پر ہیں کہ وہ جملہ کے ساتھ اندازہ ٹھہرائی گئی ہے........... قاعدہ:

اور جب مبتدا: (الف) اس حرف پر مشتمل جس کے لئے شروع کلام ہے یعنی اس کے لئے شروع کلام میں آنا ضروری ہے، جیسے من أبوك؟ (ب) یا دونوں (مبتدا وَ خبر) معرفہ ہوں (ج) یا دونوں مساوی ہوں (اصل تخصیص میں) جیسے جو تجھ سے بہتر ہے: مجھ سے بہتر ہے (د) یا خبر: مبتدا کا کام ہو، جیسے زید قام تو مبتدا کو پہلے لانا واجب ہے ....قاعدہ: (الف) اور جب خبر مفرد ایسے حرف پر مشتمل ہو جس کے لئے شروع کلام میں آنا ہے جیسے أین زید؟ (ب) یا خبر مبتدا کو درست کرنے والی ہو جیسے فی الدار رجل (ج) یا خبر سے تعلق رکھنے والی کسی چیز کے لئے کوئی ضمیر مبتدا میں ہو، جیسے کھجور پر اس کے مانند مکھن ہے (د) یا خبر: أن کی خبر ہو، جیسے میرے پاس یہ بات ہے کہ آپ کھڑے ہونے والے ہیں تو خبر کو پہلے لانا واجب ہے۔

[قاعدة] وقد يتعدَّدُ الخبر، مثلُ: زيدٌ عالِمٌ عاقِلٌ.[1]

[قاعدة] وقد يَتَضَمَّنُ المبتدأُ معنَى الشرط، فَيَصِحُّ دخولُ الفاء في الخبر:[2]

وذلك: الاسمُ الموصولُ بفعلٍ، أو ظرفٍ، أو النكرةُ الموصوفة بهما، مثلُ: الذي يأتيني، أو في الدار: فله درهم؛ وكلُّ رجلٍ يأتيني، أو في الدار: فله درهم.

(۱) قاعدہ: خبر کبھی ایک سے زیادہ بھی آتی ہیں، جیسے زیدٌ عالمٌ عاقلٌ میں دو خبریں ہیں۔

(۲) قاعدہ: جب مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہو یعنی شرط کو اپنے جلو میں لئے ہوئے ہو تو خبر پر فاء جزائیہ آسکتی ہے۔ اور شرط کے معنی سے مراد یہ ہے کہ مبتدا: خبر کا سبب ہو۔ اور اس کی دو صورتیں ہیں:

(۱) مبتدا ایسا اسم موصول ہو جس کا صلہ فعل یا ظرف ماُوَّل بفعل ہو یعنی صلہ جملہ

فعلیہ ہو یا جملہ ظرفیہ مأوّلہ بجملہ فعلیہ ہو، جیسے الذی یأتینی فله درهم: جو شخص میرے پاس آئے گا اس کے لئے ایک روپیہ ہے۔ اس میں مبتدا اسم موصول الذی ہے اور اس کا صلہ جملہ فعلیہ یأتینی ہے ——— اور الذی فی الدار فله درهم: جو شخص گھر میں ہے اس کے لئے ایک روپیہ ہے، اس میں الذی مبتدا ہے اور اس کا صلہ جملہ ظرفیہ فی الدار ہے جو بصریوں کے مذہب پر مأوّل بجملہ فعلیہ ہے أی الذی استقر فی الدار فله درهم۔

(۲) مبتدا ایسا نکرہ ہو جس کی صفت جملہ فعلیہ یا جملہ ظرفیہ مأوّلہ بجملہ فعلیہ ہو جیسے كلُّ رجلٍ یأتینی فله درهم دوسری مثال: كل رجل فی الدار فله درهم۔

ترجمہ: قاعدہ: اور کبھی خبر متعدد (چند) آتی ہیں، .... قاعدہ: اور کبھی مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہوتا ہے پس خبر پر فاء کا داخل ہونا درست ہے...... اور وہ مبتدا جو شرط کے معنی کو متضمن ہوتا ہے: (۱) وہ اسم ہے جو صلہ لایا گیا ہو فعل کے ساتھ یا ظرف کے ساتھ (۲) یا وہ نکرہ ہے جو صفت لایا گیا ہو ان دونوں کے ساتھ۔

[قاعدة] وليتَ ولعلَّ مانعان بالاتفاق، وأَلْحَقَ بعضُهم "إنَّ" بهما.[۱]

[قاعدة] وقد يُحْذَفُ المبتدأُ لقيام قرينةٍ: جوازاً، كقول المسْتَهِلِّ: "الهلالُ واللّٰهِ!"[۲]

والخبرُ:[۳]

[الف] جوازاً، مثلُ: خرجتُ فإذا السَّبُعُ.

[ب] ووجوباً: فيما التُزِمَ في موضِعِه غيرُهُ، مثلُ: لولا زيد لكان كذا، ومثلُ: ضَرْبِىْ زيدًا قائما، وكلُّ رجلٍ وضَيْعَتَه، ولَعَمْرُكَ لأفعلَنَّ كذا.

(۱) قاعدہ: جب مبتدا متضمن معنی شرط پر لیت یا لعل داخل ہوں تو پھر خبر پر فاء

جزائیہ نہیں آسکتی جیسے لعل/ لیت/ الذی یأتینی/ فی الدار فله درهم کہنا صحیح نہیں۔

اور بعض نحویوں نے إنَّ کو بھی لیتَ اور لعلَّ کے ساتھ لاحق کیا ہے کہ اس کی خبر پر بھی فاء جزائیہ نہیں آسکتی (مگر قرآن میں آئی ہے۔ جیسے إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (محمد ۳۴) اس لئے یہ مذہب ضعیف ہے)

(۲) قاعدہ: جب قرینہ موجود ہو تو مبتدا کو حذف کرنا جائز ہے، جیسے چاند دیکھنے والے کا کہنا: الهلالُ و اللهِ! بخدا! یہ ہے چاند۔ یہاں هذا مبتدا محذوف ہے۔

(۳) قاعدہ: جب قرینہ موجود ہو تو خبر کا حذف کرنا جائز بھی ہے اور واجب بھی۔

جائز اس وقت ہے جب کسی چیز کو خبر کے قائم مقام نہ کیا گیا ہو، جیسے خرجتُ فإذا السَّبُعُ: میں باہر نکلا تو اچانک درندہ (کھڑا ہے) یہاں واقف خبر محذوف ہے۔

اور خبر کو حذف کرنا واجب اس وقت ہے جب کسی چیز کو خبر کے قائم مقام کیا گیا ہو۔ اور اس کی چار جگہیں ہیں:

(۱) جب مبتدا لو لا کے بعد آئے اور خبر افعالِ عامہ یعنی کون وحصول وغیرہ سے ہو تو وہاں لو لا کی جزاء خبر کے قائم مقام ہو جاتی ہے، جیسے لو لا زید لکان کذا أی لو لا زیدٌ موجودٌ لکان کذا۔

(۲) جب مبتدا مصدر ہو اور اس کی فاعل یا مفعول کی طرف اضافت کی گئی ہو اور اس کے بعد حال آرہا ہو تو خبر کو حذف کرنا واجب ہے جیسے ضَرْبِیْ زیداً قائماً: میرا زید کو مارنا کھڑے ہونے کی حالت میں ہے۔ یہاں خبر حاصل وجوباً محذوف ہے۔

(۳) جب مبتدا پر واو بمعنی مع کے ذریعہ کسی چیز کا عطف کیا گیا ہو، جیسے کلُّ رجلٍ وضَيْعَتَه: ہر شخص اپنی جائداد کے ساتھ ہے أی کل رجل مقرونٌ مع ضیعته.

(۴) جب مبتدا مقسم بہ اور اس کی خبر لفظ قسم ہو، جیسے لَعَمْرُكَ لأفعلَنَّ كذا: تیری زندگی کی قسم میں ایسا ضرور کرونگا اس کی اصل لَعَمْرُك قسمی لأفعلن کذا ہے،

قَسْمِیْ کو جوکہ خبر ہے حذف کردیا گیا ہے، اس لئے کہ لام قسم اس پر دلالت کرتا ہے اور جواب قسم اس کا قائم مقام ہے۔

ترجمہ: قاعدہ: اور لیت اور لعل دونوں (فاء جزائیہ کے لئے) مانع ہیں بالاتفاق۔ اور بعض نے اِنَّ کو ان دونوں کے ساتھ لاحق کیا ہے............ قاعدہ: اور کبھی مبتدا کو حذف کیا جاتا ہے قرینہ موجود ہونے کے وقت، جیسے چاند دیکھنے والے کا کہنا: ''چاند بخدا!''............ اور (کبھی حذف کی جاتی ہے قرینہ موجود ہونے کے وقت) خبر بطور جواز جیسے............ اور بطور وجوب: اس صورت میں کہ التزام کیا گیا ہو یعنی رکھ دیا گیا ہو اس کی جگہ میں اس کے علاوہ کو۔ جیسے (چار مثالوں سے مصنف رحمہ اللہ نے چار صورتیں بیان کی ہیں)

[٥] خبر إنَّ وأَخَوَاتِها:

هو المسنَدُ بعدَ دخول هذه الحروف، مثلُ: إن زيداً قائم.(١)

[قاعدة] وأَمْرُهُ كأمرِ خبر المبتدأ، إلا فى تقديمه، إلا إذا كان ظرفاً.(٢)

(۵) اِنَّ اور اس کی بہنوں کی خبر (حروف مشبہ بالفعل کی خبر)

(۱) حروف مشبہ بالفعل: چھ ہیں: اِنَّ، أَنَّ، كأنَّ، لَيْتَ، لكِنَّ اور لَعَلَّ۔ ان کی خبر بھی مرفوع ہوتی ہے۔ یہ حروف: فعل کے ساتھ لفظاً بھی مشابہ ہیں اور معنًی بھی۔ لفظی مشابہت دو طرح سے ہے: جس طرح فعل: ثلاثی، رباعی اور خماسی ہوتا ہے یہ حروف بھی تینوں طرح کے ہیں اور جس طرح فعل ماضی فتح پر مبنی ہوتا ہے یہ بھی فتح پر مبنی ہیں۔ اور معنوی مشابہت یہ ہے کہ یہ حروف فعل کے معنی میں ہیں۔ پہلے دو حرفوں کے معنی ہیں أَكَّدتُّ باقی کے معنی ہیں: شَبَّهْتُ، تَمَنَّيْتُ، اسْتَدْرَكْتُ اور تَرَجَّيْتُ۔

یہ حروف جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں اور مبتدا کو اپنا اسم اور خبر کو اپنی خبر بنا لیتے ہیں۔ان کے داخل ہونے کے بعد جملہ میں جو جزء مسند ہوتا ہے وہی ان کی خبر ہوتا ہے، جیسے إن زيداً قائم۔

(۲) قاعدہ: حروف مشبہ بالفعل کی خبر کا حکم مبتدا کی خبر کی طرح ہے۔جس طرح مبتدا کی ایک اور متعدد خبریں آسکتی ہیں اور مفرد یا جملہ ہوتی ہے اور جملہ ہونے کی صورت میں لوٹنے والی ضمیر ضروری ہے یہ سب باتیں ان حروف کی خبر میں بھی پائی جاتی ہیں ــــــ البتہ ان کی خبر ان کے اسم پر مقدم نہیں ہوسکتی إن قائم زيداً نہیں کہہ سکتے، کیونکہ یہ حروف عاملِ ضعیف ہیں ــــــ البتہ اگر ان کی خبر ظرف ہوتو اسم سے پہلے آسکتی ہے، بشرطیکہ اسم معرفہ ہو جیسے إن إلينا إيابَهم اور اگر ان کا اسم نکرہ ہوتو خبر کی تقدیم واجب ہے، جیسے إِنَّ من البيان لَسِحْرًا: بیشک بعض تقریریں جادو اثر ہوتی ہیں۔یہاں من البيان خبر پہلے لائی گئی ہے کیونکہ سِحْرًا نکرہ ہے۔

ترجمہ: إنَّ اور اس کی بہنوں کی خبر ہی مسند ہوتی ہے ان حروف کے داخل ہونے کے بعد(کیونکہ یہ حروف نواسخ جملہ ہیں، جملہ اسمیہ پر داخل ہوکر مبتدا کو اپنا اسم اور خبر کو اپنی خبر بناتے ہیں۔پس ان کے داخل ہونے کے بعد غور کریں جملہ کا جو جزء مسند الیہ ہوگا وہ ان کا اسم ہوگا اور جو جزء مسند ہوگا وہ ان کی خبر ہوگا)............قاعدہ: إنَّ وغیرہ کی خبر کا معاملہ مبتدا کی خبر کے معاملہ کی طرح ہے، مگر خبر کے مقدم ہونے میں یعنی ان کی خبر ان کے اسم پر مقدم نہیں ہوسکتی، مگر جبکہ خبر ظرف ہو(تو مقدم ہوسکتی ہے إنَّ في الدار زيداً کہہ سکتے ہیں)

[٦-] خبر لا التی لِنَفْيِ الجنس:

هو المسندُ بعد دخولها، مثلُ: لا غلامَ رجلٍ ظريفٌ فيها.

[قاعدة] ويُحْذَف كثيراً: وبنو تميم لا يُثْبِتُوْنَه.

(۶)لائے نفی جنس کی خبر

لائے نفی جنس: وہ لا ہے جونکرہ پر داخل ہوکر ساری جنس کی نفی کرتا ہے، جیسے **لا سَاکِنَ فی الدار**: گھر میں کوئی رہنے والانہیں (ایک دوسرا لا مشابہ بلیس ہوتا ہے یعنی لیس کے معنی میں ہوتا ہے، وہ صرف اپنے مدخول کی نفی کرتا ہے اس کا بیان آگے آرہا ہے) لائے نفی جنس: جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے، اور اس کے داخل ہونے کے بعد جملہ کا جو جز مسند ہو وہی اس کی خبر ہوگا۔ جیسے **لا غلامَ رجلٍ ظریفٌ فی الدار**: کسی شخص کا غلام: ہوشیار نہیں گھر میں۔ اس میں غلام رجل: لا کا اسم ہے اور ظریف خبر ہے کیونکہ وہی مسند ہے، اس کی رجل کی طرف نسبت کی گئی ہے اور **فی الدار** : کائن سے متعلق ہوکر رجل کی صفت ہیں۔

لائے نفی جنس: حروف مشبہ بالفعل جیسا عمل کرتا ہے یعنی اسم کو نصب اور خبر کو رفع دیتا ہے۔ اور اس کا اسم مضاف یا شِبہ مضاف ہوتا ہے۔ جیسے **لا صاحبَ جُوْدٍ مَمْقُوْتٌ**: کوئی سخی آدمی مبغوض نہیں! اور **لاطالعاً جبلاً حاضِرٌ**: کوئی کوہ پیما حاضر نہیں۔

اور لائے نفی جنس کی خبر اکثر محذوف ہوتی ہے، جیسے **لا إلٰه إلا الله أی لا إلٰه موجود إلا الله**۔

اور بنو تمیم خبر کو ثابت نہیں رکھتے یعنی ان کے نزدیک یا تو خبر کا حذف کرنا واجب ہے یا وہ خبر کے قائل ہی نہیں۔

[۷-] اسم ما ولا المُتَشَبَّهَتَیْنِ بِلَیْسَ:

هوالمسند إلیه بعد دخولهما، مثلُ:مازیدٌ قائماً، ولارجلٌ أفضلَ منك[۱].

[قاعدة] وهو فی "لا" شاذٌّ.[۲]

(۷) ما اور لا مشابہ بلیس کا اسم

(۱) یعنی وہ ما اور لا جو بمعنی لیس ہیں، لیس فعل ناقص ہیں۔ یہ دونوں لیس کی مشابہت کی وجہ سے عمل کرتے ہیں۔ یہ دونوں جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں۔ اور جملہ کا جو جز مسند الیہ ہوتا ہے وہی ان کا اسم ہوتا ہے، جیسے ما زيد قائما: زید کھڑا نہیں اور لا رجلٌ أفضلَ منك: کوئی آدمی آپ سے بہتر نہیں۔

(۲) اور لیس جیسا عمل لا میں شاذ ہے۔ کیونکہ لا کی لیس کے ساتھ مشابہت ضعیف ہے۔ لیس: نفیِ حال کے لئے ہے اور لا مطلق نفی کے لئے ہے، اور ما کی مشابہت قوی ہے، کیونکہ وہ بھی نفی حال کے لئے ہے۔ یعنی لا زیادہ تر جنس کی نفی کے لئے آتا ہے، لیس کے معنی میں اس کا استعمال شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔

نوٹ: آٹھواں مرفوع: کان اور اس کی بہنوں کا اسم ہے۔ مصنف رحمہ اللہ نے کسی وجہ سے اس کا ذکر چھوڑ دیا ہے۔

مشقی سوالات

(۱) مرفوعات کتنے ہیں؟ اور کیا ہیں؟ اور مصنفؒ نے کونسے مرفوع کا تذکرہ نہیں کیا؟

(۲) فاعل کی عربی تعریف مع مثال بیان کرو اور اس کی وضاحت کرو

(۳) شبہ فعل کتنے ہیں؟ اور کیا ہیں؟

(۴) فاعل میں اصل کیا ہے؟ فعل سے متصل آنا یا جدا آنا؟ اور اس پر تفریع بیان کرو

(۵) کن صورتوں میں فاعل کو مفعول سے پہلے لانا واجب ہے؟ مع امثلہ بیان کرو

(۶) کن صورتوں میں فاعل کومفعول بہ کے بعد لانا ضروری ہے؟ مع امثلہ بیان کرو

(۷) جوازاً حذفِ فاعل کی مصنف رحمہ اللہ نے دومثالیں کیا بیان کی ہیں؟

(۸) وجوباً حذفِ فاعل کی کیا مثال ہے اوراس میں کیا قرینہ ہے؟

(۹) فعل اور فاعل دونوں کوحذف کرنے کی مثال بیان کرو

(۱۰) تنازع فعلان کا مطلب اوراس کی صورتیں بیان کرو

(۱۱) تنازع فعلان میں بصری اور کوفی نحات کا کیا اختلاف ہے؟ کس کوعمل دینا بہتر ہے؟

(۱۲) اگر پہلے فعل کوعمل دیں تو دوسرے فعل میں کیا کریں گے؟

(۱۳) اگر دوسرے فعل کوعمل دیں تو پہلے فعل میں کیا کریں گے؟

(۱۴) کسائی کا اختلاف کس صورت میں ہے؟ اور کیا ہے؟

(۱۵) فراء کا اختلاف کس بات میں ہے؟ اور کیا ہے؟

(۱۶) **کفانی ولم أطلب قلیل من المال** سے کس نے استدلال کیا ہے اور مصنفؒ نے اس کا کیا جواب دیا ہے؟

(۱۷) مفعول مالم یُسَمَّ فاعله کی تعریف کرواوراس کا دوسرا نام بتاؤ

(۱۸) نائب فاعل کس فعل کا آتا ہے؟

(۱۹) کونسے چار مفعول نائب فاعل نہیں بن سکتے ؟

(۲۰) دیگر مفاعیل میں نائب فاعل بننے کا زیادہ حقدار کون ہے؟

(۲۱) مبتدا کی دونوں تعریفیں عربی میں مع امثلہ سناؤ اوران کوسمجھاؤ

(۲۲) خبر کی عربی تعریف سناؤ اوراس کی وضاحت کرو

(۲۳) مبتدا میں اصل پہلے آنا ہے یا بعد میں؟ اس پر تفریع بیان کرو

(۲۴) نکرہ مبتدا کب بن سکتا ہے؟ اور تخصیص کی چھیوں مثالیں مع وجہ تخصیص بیان کرو

(۲۵) خبر جب جملہ ہوتو اس میں کیا ضروری ہے؟ اور حذفِ عائد کی مثال دو

(۲۶) خبر اگر ظرف ہوتو اس کی کیا تاویل کی جاتی ہے؟

(۲۷) وہ کونسی چار جگہیں ہیں جہاں مبتدا کی تقدیم واجب ہے؟ مع امثلہ بیان کرو

(۲۸) وہ کونسی چار جگہیں ہیں جہاں خبر کی تقدیم واجب ہے؟ مع امثلہ بیان کرو

(۲۹) کئی خبریں آسکتی ہیں؟ مثال دو

(۳۰) خبر پر فاء جزائیہ کن دوصورتوں میں آسکتی ہے؟ مع مثال بیان کرو

(۳۱) خبر پر فاء جزائیہ کے لئے مانع کیا چیزیں ہیں؟

(۳۲) جوازاً حذف مبتدا کی مثال بیان کرو

(۳۳) جوازاً حذف خبر کی مثال بیان کرو

(۳۴) وجوباً خبر کہاں حذف کی جاتی ہے؟ اس کی چاروں جگہیں مع مثال بیان کرو

(۳۵) حروف مشبہ بالفعل کی خبر جملہ کا کونسا جز ہوتا ہے؟

(۳۶) مبتدا کی خبر اور حروف مشبہ بالفعل کی خبر میں کس بات میں فرق ہے؟

(۳۷) لائے نفی جنس کونسا لا ہے؟ اور جملہ کا کونسا جز اس کی خبر ہوتا ہے؟ مثال دو

(۳۸) لائے نفی جنس کی خبر حذف کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور بنو تمیم کا اس کے بارے میں کیا موقوف ہے؟

(۳۹) جو ما اور لا: لیس کے معنی میں ہوتے ہیں: جملہ کا کونسا جز ان کا اسم ہوتا ہے؟ مثالیں دو

(۴۰) وھو فی لا شاذ کا کیا مطلب ہے؟
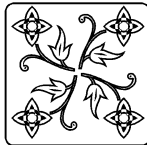
المنصوبات

هو: ماشْتَمَلَ على عَلَمِ المفعولية.(١)

[١-] فمنه: المفعول المطلق:

وهو: اسمُ ما فعلَه فاعلُ فعلٍ مذكورٍ بمعناه.(٢)

وقد يكون للتأكيد، والنوعِ، والعدد، نحوُ: جلستُ جُلوساً، وجِلْسَةً وجَلْسَةً.

فالأول: لا يُثَنّٰى ولا يُجْمَعُ، بخلاف أَخَوَيْهِ.(٣)

وقد يكون بغير لفظه، نحوُ: قعدتُ جلوساً.

[قاعدة] وقد يُحْذَف الفعلُ لقيامِ قرينةٍ:(٤)

[١-] جوازاً: كقولك لمن قَدِمَ: "خَيْرَ مَقْدَمٍ!"

[٢-] ووجوباً:(٥)

[الف] سَمَاعًا: مثلُ: سَقْيًا، ورَعْيًا، وخَيْبَةً، وَجَدْعًا، وَحَمْدًا، وشُكْرًا، وَعَجَبًا.

منصوبات کا بیان

(۱)منصوب: وہ اسم ہے جو مفعول ہونے کی علامت پر یعنی زبر پر مشتمل ہو۔

پہلا منصوب: مفعول مطلق

(۲)مفعول مطلق: وہ مصدر ہے جو فعل کے ہم لفظ یا ہم معنی ہو اور فعل کے بعد آئے جیسے ضربتُ ضرباً اور قعدتُ جلوساً۔ مفعول مطلق تین مقاصد کے لئے

آتا ہے: (۱) فعل کی تاکید کے لئے جیسے جلستُ جلوساً: میں بیٹھا بیٹھنا یعنی واقعۃً بیٹھا (۲) فعل (کام) کی نوعیت بیان کرنے کے لئے جیسے جلستُ جِلْسَةً: میں خاص نشست بیٹھا مثلاً قاری کی نشست (۳) فعل کی تعداد بیان کرنے کے لئے، جیسے جلستُ جَلْسَةً: میں ایک نشست بیٹھا۔

(۳) جو مفعول مطلق تاکید کے لئے ہوتا ہے اس کا تثنیہ جمع نہیں آتا، باقی دو کے آتے ہیں جیسے جَلستُ جَلْسَةً / جَلستَيْن / جلساتٍ: میں ایک مرتبہ/دو مرتبہ/کئی مرتبہ بیٹھا۔

(۴) قاعدہ: جب قرینہ پایا جائے تو مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا جائز ہے، جیسے آنے والے سے کہنا: خیرَ مقدم: خوش آمدید۔ اس کی اصل قدمتَ قدوماً خیرَ مقدم ہے یعنی آپ کا آنا مبارک! پہلے فعل کو حذف کیا، پھر مفعول مطلق کو حذف کیا اور اس کی صفت خیر مقدم کو اس کی جگہ رکھ دیا۔

(۵) بعض جگہ مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے، اور ایسی جگہیں سماعی بھی ہیں اور قیاسی بھی۔ سماعی: وہ جگہیں ہیں جہاں فعل کا حذف کرنا اہل لسان سے سنا گیا ہے، اس کے لئے کوئی قاعدہ نہیں۔ چند سماعی جگہیں یہ ہیں:

(۱) سَقْيًا: اللہ آپ کو سیراب کریں اس کی اصل سَقَاكَ اللّٰهُ سَقْيًا ہے۔

(۲) رَعْيًا: اللہ آپ کا حامی ومددگار رہو، اس کی اصل رَعَاكَ اللّٰهُ رَعْيًا ہے۔

(۳) خَيْبَةً: وہ نامراد ہو، اس کی اصل خابَ خَيْبَةً ہے۔

(۴) جَدْعًا: اللہ اس کے ناک کان کاٹیں یعنی وہ رسوا ہو، اس کی اصل جُدِعَ جَدْعًا ہے۔

(۵) حمداً: میں آپ کی تعریف کرتا ہوں، اس کی اصل حمدتُك حمداً ہے۔

(۶) شکراً: میں شاکر ہوں، اس کی اصل شَکرتُك شکراً ہے۔

(۷) عَجَبًا: مجھے تعجب ہے، اس کی اصل عجبتُ عجباً ہے۔

[ب] وقياسا: في مواضع:

منها: ما وقع مُثْبَتًا بعد نفيٍ، أو معنى نفيٍ: داخلٍ على اسم لايكون خبراً عنه، أو وقع مُكَرَّرًا، نحوُ: ما أنتَ إلا سيرًا، وما أنت إلا سَيْرَ البريد، وإنما أنت سيرًا، وزيدٌ سَيْرًا سَيْرًا.(١)

ومنها: ما وقع تفصيلاً لأثرِ مضمونِ جملةٍ متقدِّمَةٍ، مثلُ: ﴿فَشُدُّوْا الوَثَاقَ: فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً﴾(٢)

ومنها: ما وقع للتشبيه علاجاً، بعد جملةٍ مشتملةٍ على اسمٍ بمعناه وصاحِبِه، نحوُ: مررتُ به فإذا له صوتٌ صوتَ حمارٍ، وصُرَاخٌ صُرَاخَ الثَّكْلٰى.(٣)

ومنها: ما وقعَ مضمونَ جملةٍ، لا محتملَ لها غَيْرُهُ، نحوُ: له عليَّ ألفُ درهمٍ اعْتِرَافًا؛ ويُسَمّٰى تاكيدًا لنفسه.(٤)

ومنها: ما وقع مضمونَ جملةٍ، لها محتملٌ غيرُه، نحوُ: زيدٌ قائم حَقًّا؛ ويُسَمّٰى تاكيداً لغيره.(٥)

ومنها: ما وقع مُثَنّٰى، مثلُ: لبيك وسعديك.(٦)

مفعول مطلق کے فعل کو قیاسا اور وجوباً حذف کرنے کی چھ جگہیں

مفعول مطلق کے فعل کو وجوباً قاعدہ کے مطابق چھ جگہ حذف کیا جاتا ہے:

(۱) پہلی جگہ: (الف) جب مفعول مطلق نفی یا معنیٔ نفی کے بعد مثبت واقع ہو، اور وہ اسم جو نفی کے بعد آیا ہے: مفعول مطلق اس کی خبر نہ بن سکتا ہو، جیسے ما أنتَ إلا سَيْراً: نہیں ہیں آپ مگر چلنا۔ اس میں سَيْراً (مصدر) ما نافیہ کے بعد مثبت آیا ہے، کیونکہ وہ إلا کے بعد آیا ہے اور إلا سے نفی ٹوٹ جاتی ہے اور سیراً: أنت کی خبر نہیں بن سکتا۔ اور

یہ مثال مفعول مطلق نکرہ کی ہے، اور معرفہ کی مثال ہے: ما أنتَ إلا سَيْرَ البريد یعنی آپ قاصد (ڈاکیہ) کی چال ہی چلتے ہیں۔ اور یہ دونوں مثالیں نفی کے بعد مفعول مطلق کی ہیں۔ اور معنی نفی کے بعد مفعول مطلق کے آنے کی مثال یہ ہے: إنما أنتَ سَيْراً: آپ بس چلتے ہی ہیں۔ إنما میں ما اور إلا کے معنی ہیں۔ پس یہاں تَسِيْرُ فعل وجوباً محذوف ہوگا۔

(ب) جب مفعول مطلق مکرر آئے، اور وہ خبر بننے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، جیسے زيدٌ سَيْراً سَيْراً: زید چلتا ہے چلنا۔ یہاں بھی عامل تَسِيْرُ وجوباً محذوف ہوگا۔

نوٹ: یہ پہلی جگہ درحقیقت ایک جگہ نہیں ہے، بلکہ دو ضابطے ہیں۔ مگر چونکہ دونوں اس بات میں مشترک ہیں کہ مفعول مطلق خبر نہیں بن سکتا اس لئے مصنف رحمہ اللہ نے دونوں کو ایک ساتھ بیان کر دیا ہے۔

(۲) دوسری جگہ: جہاں مفعولِ مطلق کے ذریعہ پہلے والے جملہ کی غرض اور فائدہ بیان کیا گیا ہو۔ جیسے سورۃ محمدؐ (آیت ۴) میں ارشاد پاک ہے: ﴿فَشُدُّوْا الوَثَاقَ: فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً﴾ یعنی جنگ میں کفار کو خوب مضبوط باندھ لو، پھر اس کے بعد یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دینا ہے یا معاوضہ لے کر چھوڑ دینا ہے۔ اس میں پہلا جملہ ہے: شدوا الوثاق، اسی کی تفصیل بعد کے جملہ میں ہے جس میں دو مفعول مطلق آئے ہیں: ایک: مَنًّا دوسرا: فداءً: دونوں کے عامل تَمُنُّوْنَ اور تُفْدُوْنَ وجوباً محذوف ہیں۔

(۳) تیسری جگہ: جب مفعول مطلق تشبیہ کے لئے ہو، اور وہ افعال جوارح میں سے ہو یعنی اعضائے بدن سے تعلق رکھتا ہو، افعالِ قلوب سے نہ ہو اور وہ ایسے جملہ کے بعد آیا ہو جس میں مفعول مطلق کے ہم معنی لفظ ہو اور مفعول مطلق جس شخص کا فعل ہے اس کی طرف لوٹنے والی ضمیر بھی اس جملہ میں ہو تو وہاں مفعول مطلق کا عامل وجوباً قیاساً محذوف رہتا ہے۔

پہلی مثال: مررتُ به فإذا له صوتٌ صوتَ حمار: میں اس کے پاس سے

گذرا وہ گدھے کی طرح رینک رہا تھا۔اس میں صوتَ حمار مفعول مطلق تشبیہ کے لئے ہے، اورآواز افعالِ جوارح میں سے ہے، کیونکہ وہ حلق سے پیدا ہوتی ہے۔اور اس سے پہلے جملہ له صوتٌ ہے، جواسم مفعول کا ہم معنی لفظ ہےاور صاحبِ صوت کی طرف لوٹنے والی ضمیر بھی له میں ہے، اس لئے یہاں مفعول مطلق کا عامل يَصُوْتُ وجوبا محذوف ہے۔

دوسری مثال: مررتُ به فإذا له صُرَاخٌ صُرَاخَ الثَّكْلیٰ: میں اس کے پاس سے گذرا وہ ایسا رورہا تھا جس طرح وہ عورت روتی ہے جس کا بچہ مرگیا ہو۔اس میں صُراخَ الثكلی مفعول مطلق ہےاوراس کا عامل يَصْرَخُ وجوبا محذوف ہے۔

دونوں مثالوں میں تین فرق: (۱) پہلی مثال میں مفعول مطلق مصدرتاویلی ہے اور دوسری مثال میں تحقیقی (۲) مثال اول میں مفعول مطلق کی نکرہ کی طرف اضافت ہےاور ثانی میں معرفہ کی طرف (۳) پہلی مثال میں مضاف الیہ غیر ذوی العقول ہے اور ثانی میں ذوی العقول۔

(۴) چوتھی جگہ: مفعول مطلق ایسے جملہ کا خلاصہ ہوجس میں مفعول مطلق کے علاوہ دوسرے معنی کا احتمال نہ ہو، جیسے له عليَّ ألفُ درهمٍ اعترافاً: اس کے میرے ذمہ ہزار درہم ہیں، میں اس کا اعتراف کرتا ہوں۔یہاں فعل أعترف محذوف ہے۔ کیونکہ اعترافاً: له علی ألف درهم کا خلاصہ ہےاوراس میں اقرار کےعلاوہ دوسرا کوئی احتمال نہیں ـــــ اس قسم کےمفعول مطلق کا نام تاکیدلنفسہ ہے۔

(۵) پانچویں جگہ: مفعول مطلق ایسے جملہ کا خلاصہ ہوجس میں دوسرے معنی کا بھی احتمال ہو، جیسے زید قائما حقاً: زید کھڑا ہے یہ بات بالکل درست ہے أی حقَّ حقاً. زید قائم جملہ خبریہ ہےاس میں صدق وکذب کا احتمال ہے۔پس اس میں حقاً کےعلاوہ کا بھی احتمال ہے ـــــ اوراس قسم کا مفعول مطلق تاکیدلغیرہ کہلاتا ہے۔

(۶) چھٹی جگہ: وہ مفعول مطلق جوتثنیہ ہواور برائے تکرار وتکثیر آیا ہواس کا فعل

بھی قیاساً وجوباً محذوف رہتا ہے۔ جیسے لَبَّیْكَ: خدایا! میں آپ کے سامنے ایک دفعہ نہیں، دو دفعہ نہیں بار بار مقیم وموجود ہوں۔ اس میں لَبّی مصدر منصوب (مفعول مطلق) ہے کیونکہ اس کو برائے تکثیر تثنیہ بنا کر کاف ضمیر خطاب کی طرف مضاف کیا گیا ہے—— اسی طرح سَعَدَیْك ہے۔ اس کی اصل أَسْعَدُكَ إِسْعَادًا بعدَ إِسْعَادٍ ہے یعنی میں بار بار آپ کی مدد کرتا ہوں۔

ترجمہ: اور (کبھی حذف کیا جاتا ہے مفعول مطلق کا فعل کسی قرینہ کے پائے جانے کے وقت) قاعدہ اور ضابطہ کے مطابق چند جگہوں میں: ان میں سے ایک: وہ مفعول مطلق ہے جو مثبت آیا ہو نفی کے بعد یا نفی کے معنی کے بعد، داخل ہونے والی ہو وہ نفی یا معنی نفی ایسے اسم پر کہ مفعول مطلق اس کی خبر نہ ہوسکتا ہو یا آیا ہو مفعول مطلق مکرر، .... اور ان میں سے دوسری: وہ مفعول مطلق ہے جو تفصیل کے طور پر واقع ہوا ہو سابقہ جملہ کے مضمون کے اثر کے لئے، .... اور ان میں سے تیسری: وہ مفعول مطلق ہے جو تشبیہ کے لئے علاج کے طور پر ہو یعنی وہ افعال جوارح سے تعلق رکھتا ہو، ایسے جملہ کے بعد آیا ہو جو مفعول مطلق کے ہم معنی اسم پر مشتمل ہو اور اس اسم کے صاحب پر مشتمل ہو یعنی ایک ضمیر ہو جو اس اسم والے کی طرف لوٹتی ہو، جیسے مثالوں میں لہ کی ضمیر صوت والے کی طرف لوٹتی ہے، .... اور ان میں سے چوتھی جگہ: وہ مفعول مطلق ہے جو ایسے جملہ کا مضمون (خلاصہ) واقع ہوا ہو جس کے لئے مفعول مطلق کے علاوہ کوئی احتمال نہ ہو .... اور کہلاتا ہے یہ مفعول مطلق تاکید لنفسہ .... اور ان میں سے پانچویں جگہ: وہ مفعول مطلق ہے جو ایسے جملہ کا مضمون (خلاصہ) واقع ہوا ہو جس میں مفعول مطلق کے علاوہ کا بھی احتمال ہو .... اور کہلاتا ہے وہ تاکید لغیرہ .... اور ان میں سے چھٹی جگہ: وہ مفعول مطلق ہے جو تثنیہ واقع ہوا ہو۔

نوٹ: یہ چھ مواقع ذرا مشکل ہیں ان کو اچھی طرح سمجھایا جائے۔ اور اس کا

بہترین طریقہ یہ ہے کہ عبارت حفظ کرادی جائے پھر مثالوں سے بات واضح کردی جائے۔

[٢-] المفعول به

هو: ما وقع عليه فعلُ الفاعلِ، نحوُ: ضربتُ زيدًا.(١)

[قاعدة] وقد يتقدم على الفعل، نحو: زيداً ضربتُ.(٢)

[قاعدة] وقد يُحْذَفُ الفعلُ لقيام قرينةٍ.(٣)

[الف] جوازاً: كقولك:" زيداً" لمن قال:" مَن أَضْرِبُ؟"

[ب] ووجوباً: في أربعة مواضعَ:(٤)

الأول: سَمَاعِيٌّ، نحوُ: امرأً ونفسَه، و﴿ وانْتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ﴾ وأهلاً وسَهْلاً.

دوسرا منصوب: مفعول بہ

(١) مفعول بہ: وہ اسم ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہوا ہو جیسے ضربتُ زيداً: میں نے زید کو مارا۔

(٢) قاعدہ: کبھی مفعول بہ فعل سے پہلے بھی آتا ہے، جیسے زيداً ضربتُ: میں نے زید کو مارا۔

(٣) جب قرینہ پایا جائے تو مفعول بہ کو حذف کرنا جائز ہے جیسے کسی نے پوچھا: من أضرِبُ: کس کو ماروں؟ آپ نے جواب دیا: زيداً: زید کو۔ یہاں فعل اِضْرِبْ محذوف ہے۔

(٤) چار جگہوں میں مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔ پہلی جگہ: سماعی ہے۔ یعنی جہاں اہل لسان سے حذف سنا گیا ہے۔ چند مثالیں: (١) امرأً ونفسَه: آدمی کو اور اس کی ذات کو چھوڑ۔ یہاں فعل أُتْرُكْ محذوف ہے۔ (٢) انتهوا خيراً لكم:

تثلیث سے باز آجاؤ، اپنے لئے بہتر بات (توحید) کا ارادہ کرو۔ یہاں اقْصُدُوْا محذوف ہے۔(۳) أهلاً و سهلاً: گھر والوں میں آئے، اورنرم زمین کوروندا۔ یہاں أتيتَ اور وطِئْتَ محذوف ہیں۔

باقی تین جگہیں جہاں مفعول بہ کا فعل وجوباً محذوف ہوتا ہے: منادی، ما اُضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر اور تحذیر ہیں۔ جن کا بیان آگے آرہا ہے۔

والثاني: المنادى:

وهو المطلوبُ إقبالُه بحرفٍ نَائِبٍ مَنَابَ أدعو: لفظاً أو تقديراً.[۱]

[إعرابُه][۲]

[۱-] ويُبْنٰى على ما يُرْفَعُ به إن كان مفرداً معرفةً، نحو: يازيدُ، ويارجلُ، ويازيدانِ، ويازيدون.

[۲-] ويُخْفَضُ بلامِ الِاستغاثةِ، نحو: يالَزَيْدٍ!

[۳-] ويُفْتَحُ لإلحَاقِ أَلِفِهَا، ولا لام فيه، نحو: يَازَيْداهْ!

[٤-] ويُنْصَبُ ماسواهما، نحو: يا عبدَ الله، ويا طالعاً جبلاً، ويارجلاً: لغير معيَّنٍ.

منادی کا بیان

ان چار جگہوں میں سے دوسری جگہ جہاں مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے: منادی ہے:

(۱) منادی: وہ اسم ہے جس کی توجہ طلب کی گئی ہو ایسے حرف کے ذریعہ جو لفظاً یا تقدیراً فعل أَدْعُوْ کے قائم مقام ہو۔ لفظاً قائم مقام کی مثال: یازیدُ ہے اور تقدیراً قائم مقام کی مثال: ﴿يوسف أعرض عن هذا﴾ ہے۔ یہاں حرف ندا یا مقدر ہے۔

اورحروف ندا پانچ ہیں:یا، أیا، ھَیَا، أیْ اور ہمزۂ مفتوحہ(أ)

(۲) منادیٰ کا اعراب:(۱) منادیٰ اگر مفرد معرفہ یا نکرہ معینہ ہوتو رفع پر مبنی ہوتا ہے جیسے یا زیدُ اور بینا آدمی کا پکارنا یارجل۔اور مفرد کا مطلب یہ ہے کہ وہ مضاف یا شبہ مضاف نہ ہو۔اور کسی بھی نکرہ پر حرف ندا داخل کیا جائے تو وہ نکرہ معینہ ہوجاتا ہے (یازید:اس منادیٰ مفرد کی مثال ہے جوندا سے پہلے معرفہ ہے اورضمہ پر مبنی ہے اور یا رجل: اس منادیٰ کی مثال ہے جو نداء کے بعد معرفہ بنا ہے اورضمہ پر مبنی ہے اور یا زیدانِ:الف تثنیہ پر مبنی ہے اور یازیدون:واوجمع پر مبنی ہے)

(۲) اور منادیٰ پر لام استغاثہ داخل کردیا جائے تو وہ مجرور ہوگا جیسے یا لَزَیْدٍ (استغاثہ کے معنی ہیں: فریاد کرنا، مدد چاہنا اور جس سے مدد چاہی جائے اس کو مستغاث کہتے ہیں اور جس کے لئے مدد چاہی جائے اس کو مستغاث لہ کہتے ہیں، مستغاث بھی حقیقت میں منادیٰ ہوتا ہے البتہ اس پر لام استغاثہ مفتوح آتا ہے اور مستغاث لہ پر لام مکسور، جیسے یالَلْقَوْمِ لِلْمظلومِ :لوگو! مظلوم کی مدد کو پہنچو)

(۳) اور اگر منادیٰ کے آخر میں الف استغاثہ (ندبہ) لایا جائے اور شروع میں لام نہ ہوتو منادیٰ مفتوح ہوتا ہے جیسے یا زیدَاہْ: ہائے زید(اُسی کو ندبہ کہتے ہیں، ندبہ کے معنی ہیں: میت کی خوبیاں بیان کرکے رونا اور اصطلاحی معنی ہیں: دہائی دینا، حسرت وافسوس ظاہر کرنا، مصیبت زدہ کا واویلا کرنا۔ مرنے والے کی خوبیاں یاد کرکے رونا۔ندبہ کے لئے مخصوص حرف وَا ہے اوریا بھی مستعمل ہے)

(۴) اور اگر منادیٰ مضاف یا شبہ مضاف ہو یا نکرہ غیر معینہ ہوتو منصوب ہوگا جیسے یا عبدَ اللّٰہِ اور یا طالعاً جبلاً اور اندھے کا کہنا:یا رجلاً خذ بیدی: بھئی! میرا ہاتھ پکڑ۔

(۱)شِبہ مضاف: وہ اسم ہے جو دوسرے اسم (معمول) سے مل کر تام ہوجائے، جس طرح مضاف: مضاف الیہ سے مل کر تام ہوجاتا ہے۔جیسے طالعاً جبلاً میں

طالعاً اس کے معمول جبلاً سے مل کر تام ہو گیا ہے یعنی اس کے معنی پوری طرح سمجھ میں آجاتے ہیں۔

ترجمہ: اور دوسری جگہ: منادی ہے۔ اور منادی: وہ اسم ہے جس کی توجہ طلب کی گئی ہو ایسے حرف کے ذریعہ جو أدعو کا قائم مقام کیا گیا ہو۔ خواہ لفظاً قائم مقام کیا گیا ہو خواہ تقدیراً ـــــــ منادی کا اعراب: (۱) اور منادی مبنی کیا جاتا ہے اس علامت پر جس کے ذریعہ رفع دیا جاتا ہے، اگر ہو منادی مفرد معرفہ (نکرہ معینہ کا تذکرہ نہیں کیا مگر اس کی مثال دی ہے) (۲) اور جر دیا جاتا ہے لام استغاثہ کے ذریعہ (۳) اور فتح دیا جاتا ہے استغاثہ کا الف ملانے کی وجہ سے، درانحالیکہ اس میں لام استغاثہ نہ ہو (۴) اور مذکورہ صورتوں کے علاوہ نصب دیا جاتا ہے۔

نوٹ: منادی کے اعراب کی عبارت طلبہ کو حفظ کرا دیں تا کہ زندگی بھر ان کو منادی کا اعراب یاد رہے۔

[إعرابُ توابع المنادى]

[۱-] وتوابعُ المنادَى المَبْنِيِّ المفردةُ: من التأكيد، والصفة، وعطف البيان، والمعطوف بِحَرْفٍ الممتنعِ دخولُ "يا" عليه: تُرْفَعُ على لفظه، وتُنْصَبُ على محله، مثلُ: يازيدٌ العاقلُ، والعاقلَ.

والخليل في المعطوف: يَخْتَارُ الرفعَ، وأبو عَمْرو النصبَ، وأبو العباس: إن كان كالحَسَنِ فكا لخليل، وإلا فكأبي عَمْرٍو.

[۲-] والمضافةُ تُنْصَبُ.

منادی کے تابع کا اعراب

منادی کے دو اعراب ہیں: (۱) منادی اگر مفرد معرفہ یا نکرہ معینہ ہو تو رفع پر مبنی

ہوتا ہے(۲) اور اگر منادی مضاف یا شبہ مضاف ہوتا ہے یا نکرہ غیر معینہ ہوتا ہے تو منصوب ہوتا ہے۔اب یہ جاننا چاہئے کہ منادی کے بعد کبھی چار چیزوں میں سے کوئی چیز آتی ہے: (۱) منادی کی تاکید جیسے یا قومُ أجمعون (۲) منادی کی صفت، جیسے یا زید العاقل (۳) منادی کا عطف بیان، جیسے یا غلام بِشْرٌ (لڑکے کا نام) (۴)معرف باللام عطف کے ساتھ، جیسے یا زید والحارث۔ ان چاروں توابع کا اعراب کیا ہوتا ہے؟ اس عبارت میں اس کا بیان ہے۔ فرماتے ہیں:

(۱) منادی مبنی علی الرفع (منادی کے اعراب کی پہلی قسم) کا تابع یعنی: تاکید، صفت، عطف بیان اور وہ معطوف جس پر حرف ندا یَا داخل نہیں ہوسکتا یعنی معرف باللام اگر مفرد ہو تو ان توابع کا حکم یہ ہے کہ لفظِ منادی پر حمل کرتے ہوئے ان کو مرفوع پڑھنا بھی جائز ہے، کیونکہ منادی لفظاً مرفوع ہے اور منادی کے محل پر حمل کر کے منصوب پڑھنا بھی جائز ہے۔ کیونکہ منادی محلاً بر بنائے مفعولیت منصوب ہے۔ جیسے یا قومُ أجمعون/ أجمعین (تاکید کی مثال) یا زید العاقلُ/ العاقلَ (صفت کی مثال) یا غلام بشرٌ/ بشراً (عطف بیان کی مثال) یا زید والحارثُ/ والحارثَ (معرف باللام کی مثال)

اور چوتھی صورت میں یعنی جب منادی کا تابع معرف باللام ہو تو بہتر کونسا اعراب ہے؟ اس میں اختلاف ہے: خلیل نحوی کے نزدیک بہتر رفع ہے، اور ابو عمرو بن العلا نحوی کے نزدیک بہتر نصب ہے، اور ابو العباس مبّرد کے نزدیک اگر معطوف سے الف لام دور ہوسکتا ہو جیسے الحسن سے دور ہوسکتا ہے تو پھر رفع بہتر ہے اور اگر الف لام دور نہیں ہوسکتا جیسے العجَم سے، تو پھر نصب بہتر ہے۔

(۲) اور جب منادی مبنی علی الرفع کا تابع مضاف ہو تو صرف منصوب ہوگا جیسے یا قومُ کلَّھم (تاکید کی مثال) یا زیدُ ذا المال (صفت کی مثال) یا زیدُ عبدَ اللہ (عطف بیان کی مثال) اور معرف باللام معطوف مضاف نہیں ہوسکتا۔

ترجمہ: منادی کے توابع کا اعراب: منادی مبنی (علی الرفع) کے توابع جو مفرد ہوں (المفردۃُ: توابع کی صفت ہے) یعنی تاکید، اور صفت، اور عطف بیان اور ایسے حرف کے ذریعہ معطوف کہ اس پر یا کا داخل ہونا ناجائز ہو یعنی معرف باللام معطوف: رفع دیا جاتا ہے منادی کے لفظ پر حمل کرتے ہوئے اور نصب دیا جاتا ہے اس کے محل پر حمل کرتے ہوئے، جیسے یازیدُ العاقلُ اور العاقلَ......اور خلیل معطوف میں یعنی چوتھے تابع میں رفع پسند کرتے ہیں، اور ابو عمرو نصب پسند کرتے ہیں، اور ابو العباس: اگر وہ معرف باللام الحسن کی طرح ہو یعنی اس کا الف لام علحدہ ہو سکتا ہو تو وہ خلیل کی طرح ہیں یعنی رفع پسند کرتے ہیں، ورنہ ابو عمرو کی طرح ہیں یعنی اگر وہ الف لام دور نہ ہو سکتا ہو تو وہ نصب پسند کرتے ہیں............(۲) اور تابع مضاف ہو تو نصب دیا جائے گا۔

[قاعدة] والبدلُ والمعطوف غيرُ مَا ذُكر حكمُه حكمُ المستقل مطلقاً.(۱)

[قاعدة] والعَلم الموصوف بابنٍ أو ابنةٍ، مضافاً إلى عَلَمٍ آخر: يُختار فتحُه.(۲)

[قاعدة] وإذا نودى المعرَّفُ باللام قيل: يا أيها الرجلُ، ويا هذا الرجلُ، ويا أيهذا الرجلُ؛ والتزموا رفعَ الرجل، لأنه المقصودُ بالنداءِ، وتوابِعِهِ، لأنها توابعُ معربٍ.(۳)

[قاعدة] وقالوا: يا الله: خاصَّةً.(٤)

[قاعدة] ولك فى مثل: ياتيمُ تيمَ عديٍّ: الضم والنصبُ.(٥)

(ا) قاعدہ: منادی مبنی علی الرفع کا بدل اور اس معطوف کا حکم جو معرف باللام نہ ہو: مستقل منادی کا حکم ہے۔ اور یہ حکم مطلقاً ہے۔ خواہ وہ بدل اور معطوف مفرد ہوں یا مضاف ہوں یا شبہ مضاف ہوں، ہر حال میں وہ مستقل منادی کی طرح ہیں۔ جیسے یا

زیدُ عَمرُو، یا زیدُ أخا عمرٍو، یا زیدُ طالعاً جبلاً، یا زید رجلاً صالحاً (بدل کی مثالیں) یا زیدُ وعمرُو، یا زیدُ وأخا عَمرٍو، یا زیدُ وطالعاًجبلاً،یا زید ورجلا صالحا (معطوف کی مثالیں)

(۲) قاعدہ: جب منادی مفرد معرفہ علم ہو، اوراس کی صفت لفظ ابن یا ابنة آئے اورلفظ ابن یا ابنة دوسرے علم کی طرف مضاف ہوں تو فتحہ بہتر ہے، اورضمہ بھی جائز ہے۔ جیسے یا زیدَ بنَ الحارثِ۔ کیونکہ اس طرح کے ناموں کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے اس لئے تخفیف کی غرض سے فتح بہتر ہے۔

نوٹ: یہ قاعدہ مذکورہ بالا ضابطے سے گویا استثناء ہے۔ ضابطہ یہ تھا کہ منادی مفرد معرفہ بہر صورت علامتِ رفع پر مبنی ہوتا ہے اس ضابطہ سے یہ صورت مستثنیٰ ہے۔

(۳) قاعدہ: معرف باللام پر حرف ندا داخل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ دو حرف تعریف جمع نہیں ہو سکتے، لیکن اگر اس کو منادی بنانا مقصود ہو تو اسم مبہم کا واسطہ لانا ضروری ہے اور وہی بظاہر منادی ہوگا اور معرف باللام اس کی صفت ہوگا اور حقیقت میں معرف باللام منادی ہوگا۔ اور وہ اسم مبہم أیها، هذا اورأیهذا ہیں۔ کہیں گے: یا أیها الرجلُ، یا هذا الرجلُ اوریا أیهذا الرجلُ اور الرجلُ پر بھی رفع پڑھیں گے کیونکہ حقیقت میں وہی منادی ہے، اگر چہ لفظوں میں اسم مبہم کی صفت ہے پس اس پر رفع ونصب دونوں جائز ہونے چاہئیں، مگر نحویوں نے اس کے رفع کا التزام کیا ہے۔

اسی طرح الوجل کا جو تابع آئے گا نحویوں نے اس کے رفع کا بھی التزام کیا ہے، جیسے یا أیها الرجلُ الظریفُ اور یا أیها الرجلُ ذو المال، یہ منادی معرب کا تابع ہے اور رفع ونصب دونوں کا جواز منادی مبنی کے توابع میں تھا، نہ کہ منادی معرب کے توابع میں۔

(۴) اللّٰه: معرف باللام ہے، پس قاعدہ سے اس پر حرف ندا، اسم مبہم کے توسط کے بغیر نہیں آ سکتا، مگر یا اللّٰه کہتے ہیں، یہ صرف اسی کلمہ کی خصوصیت ہے، کیونکہ یہ کلمہ

بکثرت استعمال ہوتا ہے اس لئے تخفیف کی گئی ہے۔

(۵) **قاعدہ:** جب منادی مفرد معرفہ صورۃً مکرر ہو، اور دوسرے منادی کے بعد مضاف الیہ آرہا ہو تو پہلے منادی پر رفع ونصب دونوں جائز ہیں اور دوسرے پر صرف نصب۔ جیسے یا تیمُ تیمَ عديٍ۔ پہلے منادی پر رفع اس لئے جائز ہے کہ منادی مفرد معرفہ ہے اور وہ رفع پر مبنی ہوتا ہے اور نصب اس لئے جائز ہے کہ وہی درحقیقت عدی کی طرف مضاف ہے اور دوسرا تیم تاکید ہے۔

ترجمہ: قاعدہ: اور بدل اور معطوف علاوہ اس کے جو ذکر کیا گیا یعنی معرف باللام کے علاوہ: اس کا حکم مستقل منادی کا حکم ہے ہر حال میں............قاعدہ: اور وہ نام جس کی صفت لائی گئی ہو ابن یا ابنة کے ذریعہ، درانحالیکہ وہ (ابن یا ابنة) دوسرے نام کی طرف مضاف ہو: اس کا فتحہ پسند کیا گیا ہے............قاعدہ: اور جب معرف باللام کو پکارا جائے تو کہا جائے گا: یا أيها الرجل اور یا هذا الرجل، اور یا أيهذا الرجل۔ اور التزام کیا ہے نحویوں نے الرجل کے رفع کا (اس کا عطف الرجلِ پر ہے) اس لئے کہ وہ توابع (منادی) معرب کے توابع ہیں............قاعدہ اور کہتے ہیں عرب یا اللہ مخصوص طور پر............قاعدہ: اور آپ کے لئے جائز ہے یا تیمُ تیمَ عديٍ جیسی مثال میں: ضمہ اور نصب۔

[قاعدة] والمضافُ إلى ياءِ المتكلم: يجوز فيه: يا غلامِيَ، ويا غلامِيْ، ويا غلامِ، ويا غلاماَ؛ وبالهاء وقفاً.[۱]

[قاعدة] وقالوا: يا أَبِيْ، ويا أُمِّيْ، ويا أَبَتِ، ويا أُمَّتِ: فتحاً وكسراً؛ وبالألف، دون الياء.[۲]

[قاعدة] ويا ابنَ أُمِّ، ويا ابنَ عَمِّ خاصةً مثلُ بابِ يا غلامي؛ وقالوا: ياابنَ أُمَّ، ويا ابنَ عَمَّ.[۳]

(۱) قاعدہ: جو منادی یائے متکلم کی طرف مضاف ہو اس میں چار صورتیں جائز ہیں: (۱) یاء کا فتحہ جیسے یا غلامِیَ (۲) یاء کا سکون جیسے یا غلامِیْ (۳) یاء حذف کر کے کسرہ پر اکتفا کرنا جیسے یا غلامِ (مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ یاء کا ماقبل مکسور ہو، ورنہ حذف جائز نہ ہوگا جیسے یا فتایَ) (۴) یاء کو الف سے بدل دینا جیسے یا غلامَا ـــــ اور چاروں صورتوں میں حالت وقف میں ہاء بڑھا سکتے ہیں جیسے یاغلامِیَهْ، یا غلامِیْه، یا غلامِهْ، یا غلامَاه۔

(۲) أب اور أم کی جب یاء کی طرف اضافت کی جائے تو مذکورہ چار صورتوں کے علاوہ دو صورتیں اور بھی جائز ہیں: (۱) یاء کو ت سے بدلنا اور ت پر فتح یا کسرہ پڑھنا (۲) ت کے بعد الف بڑھانا۔ ی بڑھانا جائز نہیں۔ پس کہیں گے یا أبِیَ/ أمِّیَ، یاأَبِیْ/ أمِّیْ، یا أبِ/ أمِّ، یا أبا/ أُمَّا، یا أَبَتَ/ أَمَّتَ، یا ابتِ/ أمّتِ، یا ابتا/ أمتا (یا أبتی/ أَمَّتی جائز نہیں)

(۳) قاعدہ: جب أمّ اور عَمّ پر ابن یا بنت داخل کیا جائے اور اس کو منادی بنایا جائے تو ان میں پانچ صورتیں جائز ہیں۔ چار صورتیں یا غلامی والی اور پانچویں صورت: یاء کو حذف کر کے میم پر فتحہ پڑھنا۔ کہیں گے: یا ابن أمِّیَ/ اُمِّیْ/ أُمِّ/ أمِّ/ أَمَّا/ أَمَّ، یا بنتَ أُمِّیَ/ أمِّیْ/ أمِّ/ أمَّا/ أمَّ، یا ابن عَمِّیَ/ عَمِّیْ/ عَمِّ/ عَمَّا/ عَمَّ، یا بنتَ عَمِّیَ/ عَمِّیْ/ عَمِّ/ عَمَّا/ عَمَّ۔

ترجمہ: قاعدہ: اور وہ منادی جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہو جائز ہے اس میں ....اور وہ منادی ہ کے ساتھ ہوگا حالتِ وقف میں............قاعدہ: اور کہا عربوں نے............اور أبتَ اور أمَّتِ: تاء کے فتحہ اور کسرہ کی حالت میں، اور (تاء کے بعد) الف کے ساتھ، نہ کہ ی کے ساتھ............قاعدہ: اور یا ابنَ أُمِّ اور یا ابن عَمِّ خاص طور پر یا غلامی جیسے الفاظ کی طرح یعنی یہ بات صرف أم اور عَمّ میں ہے، أخ اور خال میں نہیں ہے ان میں صرف یا ابن أخی اور یا ابن خالی کہیں گے اور کہا انھوں نے یا ابن أمَّ اور یا ابن عَمَّ یعنی الف کو حذف کر کے فتحہ پر اکتفا کرنا۔

[ترخيم المنادى]

وترخيمُ المنادى جائز، وفي غيره ضرورةً؛ وهو: حذفٌ في آخره تخفيفاً.(١)

وشرطُه:(٢)

[الف] **أن لايكون مضافاً، ولا مُسْتَغَاثًا، ولا جملةً.**

[ب] **ويكون: إما علماً زائداً على ثلاثة أَحْرُفٍ، وإما بتاء التأنيث.**

ترخیم کا بیان

(۱) **رَخَّمَ الشيئَ:** کے معنی ہیں: نرم وآسان بنانا، ہلکا کرنا۔ اور اصطلاحی معنی ہیں: نداء کے وقت اسم کے آخری حرف کو تلفظ آسان کرنے کے لئے حذف کرنا۔ منادی کی ترخیم ہر حال میں جائز ہے، خواہ ضرورت ہو یا نہ ہو۔ اور غیر منادی میں ضرورتِ شعری کی وجہ سے جائز ہے (**ضرورةً: أي واقعٌ ضرورةً**) نثر میں جائز نہیں۔

(۲) منادی کی ترخیم کے لئے منفی پہلو سے تین باتیں ضروری ہیں: (۱) منادی مضاف نہ ہو (۲) منادی مستغاث نہ ہو (۳) منادی جملہ نہ ہو ـــــ اور مثبت پہلو سے دو باتوں میں سے کوئی ایک بات ضروری ہے: (۱) اگر منادی علم (نام) ہو تو ضروری ہے کہ وہ تین حروف سے زائد ہو (۲) اور علم نہ ہو تو ضروری ہے کہ اس کے آخر میں ۃ ہو۔

وضاحت: مضاف مضاف الیہ صورۃً دو کلمے ہیں اور حقیقۃً ایک۔ اس لئے ترخیم کہاں کی جائے اس کی کوئی صورت نہیں ـــــ اور مستغاث میں آواز کی درازی مطلوب ہوتی ہے اس لئے آخر میں الف زیادہ کرتے ہیں اور ترخیم اس کے منافی ہے ـــــ اور جب منادی جملہ ہو تو اس کو بعینہٖ باقی رکھنا ضروری ہے ورنہ

قصہ عجیبہ پراس کی دلالت باقی نہ رہے گی، جیسے یا تَأَبَّطَ شَرًّا!ـــــاور علم میں تین حروف سے زائد ہوں تبھی ترخیم کے بعد کلمہ سہ حرفی باقی رہے گا، ورنہ گھٹ جائے گا ـــــ اور کلمہ سہ حرفی ہو اور علم نہ ہو مگر اس کے آخر میں ۃ ہو جیسے شاۃٌ تو ۃ حذف کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ ۃ علحدہ حرف ہے اور کلمہ پہلے سے تین حرف سے کم ہے اس لئے ترخیم سے کچھ فرق نہیں پڑے گا۔

[مقداره] فإن كان في آخره زيادتان في حكم الواحدة، كأسماءَ ومروان، أوحرفٌ صحيحٌ قبلَه مَدَّةٌ، وهو أكثر من أربعة أَحْرُفٍ: حُذِفَتَا؛ وإن كان مركباً حُذِفَ الاسمُ الأخير؛ وإن كان غير ذلك فحرفٌ واحدٌ.(۱)

[قاعدة] وهو في حكم الثابت على الأكثر، فيقال: يا حَارِ، وياثَمُوْ، ويا كَرَوَ.(۲)

وقد يُجْعَلُ اسْمًا برأسه، فيقال: ياحارُ، ويا ثَمِيْ، ويا كَرَا.(۳)

(۱) مقدار محذوف کا بیان: ترخیم میں منادی کے آخر سے کتنے حروف حذف کئے جائیں گے؟ اس کی چار صورتیں ہیں:

(۱) اگر منادی کے آخر میں ایسے دو حرف ہوں جن کی زیادتی ایک ساتھ ہوئی ہے تو ترخیم کے وقت دونوں کو حذف کر دیں گے جیسے اسماء اور مروان میں کہیں گے: **یا أَسْمُ یا مَرْوُ۔**

(۲) منادی کے آخر میں حرفِ صحیح ہو اور اس سے پہلے مدّہ ہو یعنی ایسا حرفِ علت ہو جس کے ماقبل کی حرکت اس کے موافق ہو تو بھی ترخیم کے وقت دونوں کو حذف کریں گے بشرطیکہ کلمہ چار حروف سے زائد ہو جیسے عمار اور منصور میں کہیں گے: **یا عَمَّ یا مَنْصُ۔**

(۳) اور اگر کلمہ مرکب ہو اور اسناد اور اضافت نہ ہو تو ترخیم میں دوسرے اسم کو حذف کریں گے، جیسے بعلبك میں کہیں گے یا بعلَ۔

(۴) اور اگر منادی مذکورہ تین صورتوں کے علاوہ ہو تو ترخیم میں آخر سے ایک حرف حذف کریں گے، جیسے خالد میں کہیں گے: یا خالِ۔

(۲) قاعدہ: منادی مرخم کا اکثری استعمال اس طرح ہوتا ہے کہ گویا حرفِ محذوف ثابت ہے، چنانچہ محذوف سے پہلے والا حرف بدستور اپنی حالت پر رہتا ہے۔ پس کہیں گے یا حارِ، یا ثَمُوْ، یا کَرَوَ (یہ حارث، ثمود اور کَرَوَان کی ترخیم ہے) کَرَوَان: لمبی چونچ اور بھورے رنگ کا ایک پرندہ ہے جو کبوتر کے ہم شکل اور خوش آواز ہے۔

(۳) قاعدہ: کبھی ترخیم کے بعد منادی مرخم کو مستقل اسم کی حیثیت دیدیتے ہیں اور تعلیل و بناء میں اس کے ساتھ مستقل اسم جیسا معاملہ کرتے ہیں۔ چنانچہ یاحارث میں یاحارُ کہتے ہیں، کیونکہ منادی مفرد معرفہ ہے اس لئے ضمہ پر مبنی ہے اور یا ثمود میں یا ثَمِیْ کہتے ہیں کیونکہ واو سے پہلے ضمہ ہے اس لئے اس کو ی سے بدل دیا اور میم کو کسرہ دیا۔ اور یا کَرَوَانُ میں یا کَرَا کہتے ہیں، کیونکہ واو متحرک ماقبل مفتوح ہے اس لئے اس کو الف سے بدل دیا۔

ترجمہ: ترخیم کی مقدار: پس اگر منادی کے آخر میں ایسے دو حروف کی زیادتی ہو جو ایک حرف کے حکم میں ہوں، جیسے أسماء (بروزن فَعْلَاءُ، از وَسَامَةٌ بمعنی حُسن۔ یہ عورت کا نام ہے) اور مَرْوان (اس میں الف نون زائدتان ہیں) یا ایسا حرفِ صحیح ہو جس سے پہلے حرفِ مدّہ ہو، درانحالیکہ کلمہ چار حروف سے زائد ہو: تو دونوں حرف حذف کئے جائیں گے ـــــ اور اگر لفظ مرکب (بنائی) ہو تو آخری اسم حذف کیا جائے گا ـــــ اور اگر اس کے علاوہ (صورت) ہو تو ایک حرف حذف کیا جائے گا ـــــ قاعدہ: اور منادی مرخم ثابت کے حکم میں ہے اکثری استعمال میں ـــــ اور کبھی منادی مرخم مستقل اسم گردانا جاتا ہے پس کہا جاتا ہے الخ۔

[حكم المندوب]

وقد استعملوا صيغةَ النداء في المندوب.

وهو: المُتَفَجَّعُ عليه بيا أو وا، واخْتُصَّ بوا.

وحكمُه: في الإعراب والبناء حكمُ المنادى.

[قاعدة] ولك زيادةُ الألف في آخره.(١)

[قاعدة] فإن خِفْتَ اللَّبْسَ قلتَ: واغُلاَمَكِيْه، وواغلامَكُمُوْهُ.(٢)

[قاعدة] ولك الهاءُ في الوقف.(٣)

[قاعدة] ولا يُنْدَبُ إلا المعروفُ، فلا يقال: وَارَجُلاَهْ.(٤)

[قاعدة] وامْتَنَعَ وَازيدَ الطَّوِيْلاَهْ، خلافاً ليونس.(٥)

مندوب کا حکم

دہائی دینے والے کو نَادب اور جس کو پکارا جائے اس کو مندوب کہتے ہیں۔اس کا بیان پہلے گذر چکا ہے۔عرب: ندا کے صیغہ کو مندوب میں بھی استعمال کرتے ہیں۔اور صیغۂ ندا سے مراد صرف یاء ہے دوسرے حروف ندا ندبہ میں استعمال نہیں کئے جاتے۔مندوب: وہ ہے جس پر یا اور وا کے ذریعہ رویا جائے، جیسے یا زیداہْ، وَاوَیلاہْ۔اور وا صرف ندبہ میں مستعمل ہے اور یا دونوں کے لئے ہے اور معرب و مبنی ہونے میں مندوب کا حکم منادی کی طرح ہے۔یعنی جس طرح منادی مفرد معرفہ علامتِ رفع پر مبنی ہوتا ہے مندوب بھی علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے جیسے وازیدُ اور جس طرح منادی مضاف منصوب ہوتا ہے مندوب مضاف بھی منصوب ہوتا ہے، جیسے وا عبدَ اللہ۔

(۱) قاعدہ: آواز کی درازی کے لئے مندوب کے آخر میں الف زائد کرنا جائز

ہے، کیونکہ ندبہ میں آواز کی درازی مطلوب ہے، جیسے وَازَیْدا۔

(۲) قاعدہ: اگر مندوب کے آخر میں الف زیادہ کرنے سے التباس پیدا ہوتو الف کو اس حرف سے بدل دیں گے جو آخرِ مندوب کی حرکت کے ہم جنس ہو، جیسے واحد مؤنث حاضر کے غلام کے ندبہ میں اگر کہیں گے: وَاغلامکاہ تو واحد مذکر حاضر کے غلام کے ندبہ سے اشتباہ پیدا ہوگا، کیونکہ اس میں بھی یہی صیغہ استعمال کیا جائے گا اور پتہ نہیں چلے گا کہ کاف اصل میں مکسور ہے یا مفتوح، اس لئے وَاغلامکیہ کہیں گے الف کو کاف کے زیر کی مناسبت سے یاء سے بدلیں گے ـــــ اسی طرح اگر جمع مذکر حاضر کے غلام کے ندبہ میں کہیں گے وَا غلامکماہ تو تثنیہ مذکر حاضر کے غلام کے ندبہ سے التباس ہوجائے گا اس لئے کہیں گے واغلامکموہ، الف کو میم کے پیش کی مناسبت سے واو سے بدلیں گے۔

(۳) قاعدہ: حالتِ وقف میں الف ندبہ کے بعد سکتہ کی ہ بڑھانا جائز ہے، اسی طرح یاء اور واو کے بعد بھی۔

(۴) قاعدہ: ندبہ صرف مشہور شخص کا ہوتا ہے، مجہول وغیر معروف شخص کا نہیں ہوتا۔ لہٰذا وارجلاہ کہنا درست نہیں۔ پہلی صورت میں لوگ رونے والے کو معذور خیال کریں گے اور دوسری صورت میں اس کا مذاق اڑائیں گے۔

(۵) قاعدہ: جمہور کے نزدیک مندوب کی صفت کے آخر میں الف ندبہ کا لاحق کرنا جائز نہیں۔ پس وازیدَ الطویلاہ کہنا جائز نہیں البتہ یونس نحوی کے نزدیک جائز ہے۔

ترجمہ: مندوب کا حکم: اور عربوں نے ندا کا صیغہ مندوب میں استعمال کیا ہے ـــــ اور مندوب: وہ شخص ہے جس پر دکھ ظاہر کیا گیا ہو یَا یا وَا کے ذریعہ، اور مندوب خاص کیا گیا ہے وَا کے ساتھ (المتفَجَّع: اسم مفعول ہے تفجَّع علیہ سے جس کے معنی ہیں: کسی پر دکھ تکلیف محسوس کرنا) ـــــ اور مندوب کا حکم معرب

ومبنی ہونے میں منادی کے حکم کی طرح ہے ـــــــ قاعدہ: اور آپ کے لئے جائز ہے مندوب کے آخر میں الف کو زیادہ کرنا ـــــــ قاعدہ: پس اگر آپ اشتباہ سے ڈریں تو کہیں:............قاعدہ: اور آپ کے لئے جائز ہے حالت وقف میں ہ بڑھانا ....قاعدہ: اور ندبہ نہیں کیا جائے گا مگر مشہور آدمی کا پس نہیں کہا جائے گا: ''ہائے مرد!'' ـــــــ قاعدہ: اور نا جائز ہے وازیدَ الطویلاہْ کہنا، برخلاف یونس کے۔

[قاعدة] ويجوز حذفُ حرف النداء، إلا مع اسم الجنس، والإشارة، والمستغاث، والمندوب، نحو:﴿ يُوْسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا﴾ وأيها الرجل، وأيهذا الرجل.(۱)

[فائدة] وشَذَّ:" أَصْبِحْ ليلُ" و"افْتَدِ مَخْنُوْقُ" و" أَطْرِقْ كَرَا" (۲)

[قاعدة] وقد يُحْذَف المنادى لقيام قرينة جوازاً، مثلُ: أَلَا يَا اسْجُدُوْا.(۳)

(۱) قاعدہ: چار صورتوں کے علاوہ جب قرینہ پایا جائے تو منادی پر سے حرف ندا حذف کرنا جائز ہے۔ جیسے ﴿يوسفُ أعرض عن هذا﴾ اس کی اصل یا یوسف أعرض عن هذا ہے اور قرینہ یہ ہے کہ اگر یوسفُ مبتدا ہو تو أعرض خبر نہیں ہوسکتا، کیونکہ وہ جملہ انشائیہ ہے۔ اسی طرح أيها الرجل اور أيهذا الرجل میں حرف ندا ''یا'' محذوف ہے۔

اور وہ چار جگہیں جہاں حرف ندا کو حذف کرنا جائز نہیں: اسم جنس، اسم اشارہ، مستغاث اور مندوب ہیں۔ اول دو میں اس لئے جائز نہیں کہ ان کا ندا بکثرت نہیں کیا جاتا۔ اور آخری دو میں اس لئے جائز نہیں کہ ان میں آواز کی درازی مطلوب ہے اور حرف ندا کا حذف اس کے منافی ہے، پس ندا میں صرف رجلُ، هٰذَا، لَزيدُ اور زيدُ کہنا جائز نہیں، بلکہ یارجلُ، یا هذا، یالَزيدُ اور وَازیدُ یایازیدُ کہنا ضروری ہے۔

(۲) فائدہ: تین محاوروں میں اسم جنس پر سے حرف ندا حذف کیا گیا ہے جو شاذ ہے:

(۱) امرأالقیس کی بیوی کا قول ہے: أَصْبِحْ لیلُ: اے رات ختم ہو! یہاں لیلُ اسم جنس پر سے حرف ندا حذف کیا گیا ہے۔

(۲) اِفْتَدِ مخنوقُ: اے گلا گھونٹے ہوئے فدیہ دے۔ یہاں مخنوقُ: اسم جنس پر سے حرف ندا حذف کیا گیا ہے۔

(۳) أَطْرِقْ کَرَا: اے کرَوان سر جھکا یعنی نیچے اتر آ تا کہ میں تیرا شکار کروں، یہاں بھی کَرَا اسم جنس پر سے حرف ندا حذف کیا گیا ہے۔

وضاحت: (۱) کہتے ہیں کہ ایک رات امرأ القیس نے بیوی سے کہا: اُقْتُلِی السِّرَاجَ: چراغ بجھادے۔ عورت نے کہا: ہائے تو عجمی ہے، عرب نہیں ہے! عرب کہے گا: إِطْفَئِ السِّرَاجَ: چراغ بجھادے۔ وہ رات بھر روتی رہی کہ میں کس ناجنس کے پلّے پڑ گئی۔ اور کہتی رہی: أَصْبِحْ لیلُ: رات ختم ہو تا کہ میں اس عجمی شوہر سے جان چھڑاؤں۔

(۲) ایک سوئے ہوئے شخص پر دوسرا شخص گر پڑا اور اس کا گلا دبادیا۔ سوئے ہوئے نے ہر چند چھٹنے کی کوشش کی مگر لا حاصل! گلا گھونٹنے والے نے اس سے کہا: اِفْتَدِ مخنوقُ: اے گلا گھونٹے ہوئے مجھے کچھ مال دے تا کہ میں تجھے چھوڑ دوں۔

(۳) کرَوان: ایک کبوتر نما پرندہ ہے، وہ اڑتا ہوا جا رہا ہوا اور شکاری اس کو شکار کرنا چاہے تو ایک منتر پڑھتا تھا: أَطْرِقْ کَرَا، أَطْرِقْ کرا، إِنَّ النُّعَامَةَ فی الْقُریٰ: کرا سر جھکالے، کرا سر جھکالے، شتر مرغ یقیناً گاؤں میں ہے یعنی وہ تجھ سے بڑا پرندہ ہے اور وہ شکار ہوگیا ہے۔ یہ منتر سن کر کروان نیچے اتر آتا تھا اور شکار ہوجاتا تھا۔

(۳) قاعدہ: اگر قرینہ موجود ہو تو منادی کو حذف کرنا بھی جائز ہے جیسے أَلاَ یا اسجدوا: سنو! اے قوم سجدہ کرو، یہاں منادی قومُ محذوف ہے اور قرینہ یہ ہے کہ حرف ندا فعل پر داخل نہیں ہوتا۔

والثالث: ما أُضْمِرَ عامِلُه على شَرِيْطَةِ التفسير.

وهو: كلُّ اسمٍ بعدَه فعلٌ أو شِبْهُهُ، مشتغلٌ عنه بضميره أو متعلِّقِه، لو سُلِّطَ عليه هو أو مناسبهُ: لَنَصَبَه، مثلُ: زيداً ضربتُه، وزيداً مررت به، وزيداً ضربتُ غلامَه، وزيداً حُبِسْتُ عليه: يُنْصَبُ بفعلٍ مضمرٍ يُفسِّرُه ما بعده، أي: ضربتُ، وجاوزتُ، وأَهَنْتُ، وَلاَ بَسْتُ.

(۳) ما أُضمر عاملُہ علیٰ شریطۃ التفسیر

تیسرا مقام: جہاں مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے: ما أُضْمِرَ عامِلُه على شَرِيْطَةِ التفسير ہے۔ شریطة اور شرط کے ایک معنی ہیں یعنی وہ مفعول بہ جس کا ناصب بشرطِ تفسیر پوشیدہ کیا گیا ہو، یعنی بعد میں اس کے ناصب کی وضاحت آرہی ہو۔ اور اس موقع پر عامل کا حذف اس لئے واجب ہے کہ مفِسّر اور مفسَّر کا اجتماع لازم نہ آئے۔

تعریف: ما أضمر: وہ اسم ہے جس کے بعد کوئی ایسا فعل یا شبہ فعل آئے جو اس اسم کی طرف لوٹنے والی ضمیر میں یا اس کے کسی متعلق میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہ کرسکتا ہو۔ لیکن اگر اس فعل یا شبہ فعل کو اس اسم پر مسلط کیا جائے تو وہ اس کو نصب دے، جیسے زیداً ضربتُه: زید کو مارا میں نے۔ یہاں زیداً سے پہلے ضربتُ عامل محذوف ہے۔ اس کی تفسیر بعد میں آنے والا فعل: ضربتُه کررہا ہے جو زید کی طرف لوٹنے والی ضمیر میں مشغول ہے یعنی اس کا عامل ہونے کی وجہ سے زیداً کو نصب نہیں دے سکتا۔ لیکن اگر ضمیر ہٹا کر ضربتُ زیداً کہیں تو وہ اس کو نصب دے سکتا ہے۔

پھر ما أُضمر: کی چار صورتیں ہیں:

(۱) بعد میں آنے والا فعل اس اسم (مفعول بہ) کی ضمیر میں مشغول ہو اور اس کو بعینہٖ اس اسم پر مسلط کیا جاسکتا ہو، جیسے زیداً ضربتُه۔

(۲) بعد میں آنے والا فعل اس اسم کی طرف لوٹنے والی ضمیر میں مشغول ہو، مگر اس فعل کو بعینہٖ اس اسم پر مسلط نہ کیا جاسکتا ہو، البتہ اس کے مناسب فعل کو مسلط کیا جاسکتا ہو، جیسے زیداً مررت به أی جاوزتُ زیداً۔

(۳) بعد میں آنے والا فعل اس اسم کی طرف لوٹنے والی ضمیر میں مشغول ہو، اور نہ اس فعل کو بعینہٖ مسلط کیا جاسکتا ہو، نہ اس کے مناسب مترادف کو مسلط کیا جاسکتا ہو، البتہ اس سے مناسبت رکھنے والے اور اس کے لئے لازم کسی فعل کو مسلط کیا جاسکتا ہو، جیسے زیداً ضربتُ غلامَه أی أَهَنْتُ زیداً: کیونکہ غلام کی توہین آقا کی توہین ہے۔

(۴) بعد میں آنے والا فعل اس اسم کے کسی متعلق میں مشغول ہو اور اس کے مناسب لازم ہی کو مسلط کیا جاسکتا ہو جیسے زیداً حُبِسْتُ علیه: میں زید پر محبوس کیا گیا۔ یہاں لَابَسْتُ: لازمِ فعل ہی کو مسلط کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ جب متکلم زید پر روکا گیا تو وہ اس کے ساتھ ہوا۔

ما أُضمر: کی یہ چار صورتیں ہیں۔ مصنف رحمہ اللہ نے ان کو مثالوں سے واضح کیا ہے۔

پہلی مثال: زیداً ضربتُهٗ ہے۔ اس مثال میں زیداً کے بعد آنے والا فعل ضربتُه زید کی طرف لوٹنے والی ضمیر میں مشغول ہے اور اس کو بعینہٖ زید پر مسلط کیا جاسکتا ہے، کہیں گے: ضربتُ زیداً۔ دوسری مثال: زیداً مررتُ به ہے۔ اس میں بھی فعل مررتُ زید کی طرف لوٹنے والی ضمیر میں حرفِ جر کے واسطہ سے مشغول ہے، مگر اس فعل کو بعینہٖ زید پر مسلط نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ مررتُ بزیدٍ کہیں گے تو باء جر دے گی وہ فعل زید کو نصب نہیں دے گا۔ ہاں اس کا ہم مفہوم دوسرا فعل جاوزتُ

(آگے بڑھ گیا) ہے اس کو مسلط کیا جاسکتا ہے وہ زید کو نصب دے گا پس یہ صورت بھی ما أضمر میں چلے گی۔ تیسری مثال: زیداً ضربتُ غلامَه ہے۔ اس میں بھی ضربتُ زید کی طرف لوٹنے والی ضمیر میں مشغول ہے، اور اس فعل کو بعینہٖ مسلط نہیں کر سکتے، اگر کہیں گے ضربتُ غلامَ زیدٍ تو زید پر مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے جر آئے گا۔ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے نصب نہیں آئے گا۔ اور کوئی دوسرا مترادف فعل بھی نہیں ہے جس کو زید پر مسلط کیا جائے، البتہ ایک فعلِ لازم ہے اس کو مسلط کیا جاسکتا ہے اور وہ فعل ہے أهنتُ (ذلیل کیا میں نے) کیونکہ کسی کے غلام کو مارنا آقا کو ذلیل کرنا ہے، پس أهنتُ زیداً کہہ سکتے ہیں۔ ما أضمر عامله میں یہ صورت بھی معتبر ہے۔ چوتھی مثال: زیداً حُبِسْتُ علیه ہے۔ اس میں بھی فعل کو زید پر مسلط نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ علی کی وجہ سے زید پر جر آئے گا۔ البتہ لا بَسْتُ: (ملا ہوا ہونا) ایک مناسب لازم فعل ہے جس کو مسلط کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ جب متکلم زید کے پاس روکا گیا تو وہ اس کے ساتھ ہوا۔ ما أضمر عامله میں تسلیط کی یہ صورت بھی معتبر ہے ـــــ پس ان چاروں صورتوں میں زید کو عامل مقدر نصب دے گا۔

شبہ فعل کی مثالیں: زیداً أنا ضَارِبُه، زیداً أنا مارٌّ به، زیداً أنا ضاربٌ غلامَه، زیداً أنا محبوسٌ علیه، أی أنا ضاربٌ زیداً، أنا مجاوِزٌ زیداً، أنا مُهِینٌ زیداً، أنا حابِسٌ زیداً.

ترجمہ: اور تیسری جگہ: وہ مفعول بہ ہے جس کا عامل پوشیدہ کیا گیا ہو تفسیر کی شرط پر اور ما أُضمر: ہر وہ اسم ہے جس کے بعد کوئی فعل یا شبہ فعل ہو، جو اس سے اعراض کر کے اس کی ضمیر میں یا اس سے تعلق رکھنے والی کسی چیز میں مشغول ہو، اگر مسلط کیا جائے مفعول بہ پر وہ فعل یا اس سے مناسبت رکھنے والا کوئی فعل: تو وہ ضرور اس کو نصب دے،..........نصب دیا جاتا ہے زید ایسے فعل کے ذریعہ جو پوشیدہ کیا گیا ہے، جس کی تفسیر کرتا ہے اس کا مابعد یعنی..........

[وجوه إعرابه]

[١-] ويُخْتَارُ الرفعُ بالإبتداءِ، عند عدم قرينة خلافِه، أو عند وجود أقوى منها، كأمَّا مع غير الطلب، وإذا للمفاجاة.

[٢-] ويُخْتَارُ النصبُ بالعطف على جملة فعلية، للتناسب، وبعد حرف النفى، والاستفهام، وإذا الشرطية، وحيث، وفى الأمر، والنهى، إذ هى مواقع الفعل، وعند خوفِ لَبْسِ المفسِّر بالصفة، مثلُ: ﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾

ما أُضمر عامله کا اعراب

جو اسم: ما أُضمر عامله کے قبیل سے ہو خواہ حقیقۃً اس پر ما أُضمر کی تعریف صادق آتی ہو یا نہ آتی ہو اس کے اعراب کی پانچ صورتیں ہیں: (۱) رفع پسندیدہ (۲) نصب پسندیدہ (۳) رفع واجب (۴) نصب واجب (۵) رفع ونصب دونوں یکساں۔

پہلی صورت: دوصورتوں میں رفع پسندیدہ ہے: (۱) جب وہ اسم أمَّا کے بعد کلامِ غیر طلبی میں آئے (۲) جب وہ اسم إذَا مفاجاتیہ کے بعد آئے، جیسے لقيتُ القومَ فأَمَّا زيدٌ فأكرمتُه اور خرجتُ فإذا زيدٌ يضربُه عَمْرٌو: میں نے قوم سے ملاقات کی پس رہا زید تو میں نے اس کا اکرام کیا، نکلا میں پس اچانک زید کو عمرو مار رہا تھا ـــــ اور کلام طلبی: امر ونہی اور دعا ہیں، ان کے علاوہ کلام غیر طلبی ہیں ـــــ اور ان دوصورتوں میں رفع پسندیدہ اس لئے ہے کہ پہلی صورت میں نصب کا کوئی قرینہ نہیں، رفع ہی کا قرینہ ہے، کیونکہ أما کے بعد اکثر مبتدا آتا ہے۔ اور دوسری صورت میں اگرچہ رفع ونصب دونوں کے قرینے موجود ہیں مگر رفع کا قرینہ اقوی ہے، کیونکہ إذا مفاجاتیہ اکثر جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے اور خرجتُ پر عطف نصب کا قرینہ ہے

مگر وہ قرینہ ضعیف ہے۔

دوسری صورت: آٹھ صورتوں میں نصب پسندیدہ ہے: (۱) اس جملہ کا جس میں وہ اسم واقع ہے: جملۂ فعلیہ متقدمہ پر عطف ہو، جیسے ضربتُ زیداً وعَمْرًا أكرمتُه اس صورت میں نصب پسندیدہ اس لئے ہے کہ معطوف ومعطوف علیہ میں تناسب حاصل ہو جائے (۲) وہ اسم حرف نفی کے بعد آیا ہو، جیسے ما/ لا/ إنْ زيداً ضربتُه: میں نے زید کو نہیں مارا (۳) وہ اسم حرفِ استفہام کے بعد آیا ہو جیسے أزيداً ضربتَه: کیا تو نے زید کو مارا؟ (۴) وہ اسم إذا شرطیہ کے بعد آیا ہو، جیسے إذا زيداً تَلْقَه فأكرِمْه: جب تیری زید سے ملاقات ہو تو اس کا اکرام کر (۵) وہ اسم حيث کے بعد آیا ہو، جیسے حيث زيداً تَجِدْه فأكرِمْه: جہاں زید تجھے ملے اس کا اکرام کر (إذا: مجازاتِ زمانی پر دلالت کرتا ہے اور حيث: مجازات مکانی پر) (۶) وہ اسم امر سے پہلے آیا ہو، جیسے زيداً اِضْرِبْه: زید کو مار (۷) وہ اسم نہی سے پہلے آیا ہو، جیسے زيداً لا تضربه: زید کو مت مار ـــــــ اور ۲ تا ۷ میں نصب پسندیدہ اس لئے ہے کہ یہ فعل مقدر ماننے کی جگہیں ہیں یعنی ان کے بعد فعل کا واقع ہونا اولیٰ ہے ـــــــ (۸) رفع کی صورت میں جملۂ تفسیریہ کا صفت کے ساتھ اشتباہ ہوتا ہو جیسے ﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾ أي إنا خلقنا كل شيئ اور رفع کی صورت میں خلقناه: شيئ کی صفت بھی بن سکتا ہے جبکہ یہ مراد نہیں اس لئے نصب اولیٰ ہے۔

ترجمہ: ما اُضمر عاملہ کے اعراب کی صورتیں: (۱) اور رفع پسند کیا جائے گا ابتدا کی وجہ سے یعنی مبتدا ہونے کی وجہ سے، اس کے خلاف کا قرینہ نہ ہونے کے وقت (پہلی صورت میں جبکہ وہ اسم أما کے بعد آیا ہو) یا اس قرینہ سے زیادہ قوی قرینہ پائے جانے کے وقت (دوسری صورت میں جبکہ اسم إذا کے بعد آیا ہو) جیسے أما غیر طلب کے ساتھ یعنی کلام غیر طلبی میں اور اس إذا کے ساتھ جو مفاجات کے لئے ہے۔

(۲) اور نصب پسند کیا جاتا ہے جملۂ فعلیہ پر عطف کرنے کے ذریعہ، تناسب کے

لئے اور حرف نفی، استفہام، اذا شرطیہ، حیث کے بعد اور امر ونہی میں کیونکہ یہ (چھ) فعل کی جگہیں ہیں اور مفسِّر کے صفت کے ساتھ اشتباہ کے اندیشہ کے وقت،...... (باقی تین صورتیں آگے آرہی ہیں)

[۳-] ويستوى الأمران فى مثل: زيدٌ قام وعَمْراً أكرمته.
[٤-] ويجب النصبُ بعد حرف الشرط، وحرف التحضيض، مثلُ: إن زيداً ضربتَه ضَرَبك، وأَلَّا زيداً ضربتَه!
[٥-] وليس" أزيدٌ ذُهِبَ به" منه، فالرفعُ، وكذلك:﴿كُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ﴾

تیسری صورت: جب اس اسم کا عطف جملہ ذات الوجہین پر ہو تو رفع اور نصب دونوں یکساں ہیں، جیسے زیدٌ قَامَ وعَمراً أكرمتُه: زید کھڑا ہوا اور عمرو کا میں نے اکرام کیا۔ اس میں عمرو کا عطف اگر جملہ کبری یعنی زید قام پر کریں گے تو رفع آئے گا اور جملہ صغری یعنی قام پر کریں گے تو نصب آئے گا۔
چوتھی صورت: جب وہ اسم حرف شرط (إنْ اورلَوْ) کے بعد آئے یا حرفِ تحضیض کے بعد آئے تو نصب واجب ہے، جیسے إنْ/لوزيداً ضربتَه ضربَك: اگر تو زید کو مارے گا تو وہ تجھے مارے گا اور ألَّا زيداً ضربتَه؟! زید کو تو نے کیوں نہیں مارا؟!
پانچویں صورت: وہ اسم بظاہر ما أضمر کے قبیل سے ہو، مگر حقیقت میں وہ اسم اس باب سے نہ ہو تو رفع واجب ہے، پہلی مثال: أزيدٌ ذُهِبَ به: کیا زید کو لے جایا گیا؟ یہ ما أضمر کی مثال نہیں ہے، کیونکہ ذُهب به کو نہ حرف جر کے ساتھ زید پر مسلط کیا جا سکتا ہے نہ بغیر حرف جر کے، کیونکہ بصورتِ اول زید مجرور ہوگا اور بصورتِ ثانی ذَهب نصب نہیں دے سکتا، کیونکہ وہ فعل لازم ہے اس کے تعدیہ کے لئے باء ضروری ہے۔ دوسری مثال: ﴿كُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ﴾ کفار نے جو کچھ کیا ہے

وہ نوشتوں میں محفوظ ہے۔اس میں فعلوہ: شیئ کی صفت ہےاور فی الزبر: خبر ہے۔ اس فعلوا کو کل شیئ پر مسلط نہیں کر سکتے، کیونکہ پھر فی الزبر یا توشیئ کی صفت ہوگا یافعلوا سے متعلق ہوگا اور دونوں صورتیں باطل ہیں اس لئے یہ مثال بھی ما اُضمر کی نہیں ہے اس لئے رفع واجب ہے۔

ترجمہ: (۳) اور یکساں ہیں دونوں باتیں یعنی رفع ونصب زید قام إلخ جیسی مثال میں (۴) اور نصب واجب ہے حرف شرط اور حرف تحضیض کے بعد (۵) اور أزیدٌ ذھب به: ما أُضمر سے نہیں ہے، پس رفع واجب ہے اور اسی طرح ﴿كُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِيْ الزُّبُرِ﴾

[فائدۃ] ونحوُ:﴿ الزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾: الفاء بمعنى الشرط عند المُبَرَّدِ؛ وجملتان عند سيبويه، وإلا فالمختار النصب.

ایک سوال کا جواب: پیچھے ما أُضمر کے وجوہِ اعراب کی دوسری صورت میں یہ بات آئی ہے کہ اگر وہ اسم: فعل امر سے پہلے آیا ہو تو اس اسم پر نصب پسندیدہ ہے، مگر ارشاد پاک:﴿ الزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا﴾ میں باتفاقِ قراء رفع ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ الزانیة والزانی: فعل امر اجْلِدُوْا سے پہلے آئے ہیں۔

مبرد نحوی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ فاجلدوا میں فاء جزائیہ ہے، کیونکہ الزانیة والزانی میں الف لام بمعنی الذی ہیں اور اس کا صلہ اسم فاعل ہے، پس مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہے اس لئے جزاء پر فاء آئی ہے۔ پس یہ آیت ما أُضمر کے باب سے نہیں۔

اور سیبویہ نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ دو جملے ہیں۔ پہلے جملے میں خبر محذوف ہے أی حکمُ الزانیة والزانی فیما یُتلی علیکم فیما بعدُ۔اور فاجلدوا دوسرا جملہ

ہے اور اس پر فاء شرط مقدر کے جواب میں آئی ہے۔ أي إن ثَبتَ زناهما فاجلدوا غرض آیت پاک ما أضمر کے باب سے نہیں اس لئے اعتراض درست نہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا یعنی فاء جزائیہ: مبتدا متضمن معنی شرط کے جواب میں نہ ہوتی یا یہ دو جملے نہ ہوتے تو پھر قاعدہ کے مطابق نصب آنا ضروری تھا جبکہ قراء رفع پر متفق ہیں۔

الرابع: التحذير

وهو: معمولٌ بتقديرِ " اتَّقِ" تحذيراً مما بعدَه، أو ذُكِرَ المُحَذَّرُ منه مكرَّرًا، مثلُ: إياك والأسدَ، وإياك وأن تَحْذِفَ، والطريقَ الطريقَ.

وتقول: إياك من الأسد، ومن أن تَحْذِفَ، وإياك أن تَحْذِفَ بتقدير من؛ ولا تقول: إياك الأسدَ، لامتناع تقدير:"من"

تحذیر کا بیان

چوتھی جگہ: جہاں مفعول بہ کے ناصب کو حذف کرنا واجب ہے تحذیر ہے۔ تحذیر (ڈرانے) کے موقع پر تنگیٔ وقت کی وجہ سے فعل کو حذف کر دیا جاتا ہے ــــــ تحذیر کے معنی ہیں: ڈرانا۔ اور جس کو ڈرایا جائے اس کو مُحَذَّر، اور جس چیز سے ڈرایا جائے اس کو محذَّر منه کہتے ہیں۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تحذیر یعنی محذر: وہ اسم ہے جو فعل اتّقِ مقدر کا معمول (مفعول بہ) ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے اور اس اسم کے بعد جس چیز کو ذکر کیا جائے اس سے ڈرانا مقصود ہوتا ہے یعنی وہ محذر منہ ہوتا ہے، یا محذر منہ کو مکرر لایا جاتا ہے۔

وضاحت: تحذیر (ڈرانے) کے دو طریقے ہیں:

پہلا طریقہ: اگر وقت میں تنگی نہ ہو تو پہلے اسم فعل بمعنی اتّقِ لایا جائے پھر واو عاطفہ کے بعد محذر منہ (اسم حقیقی یا حکمی) لایا جائے، پس وہاں فعل اور محذّر دونوں مقدر ہونگے اور اسم مذکور محذر منہ ہوگا۔ اور اگر چاہیں تو اسم فعل کے بعد محذر منہ کو واو اور مِن یا أَن کے ساتھ لائیں، دونوں کے بغیر نہیں لا سکتے۔ مثلاً:

(۱) إياك و الأسدَ: شیر سے بچ۔ یہاں إياك: اسم فعل بمعنی اتَّقِ ہے اور واو کے بعد اتّقِ نَفْسَك محذوف ہے اور اس کا قرینہ اسم فعل ہے اور نفسك محذّر ہے اور الأسدَ محذّر منہ ہے اور وہ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے اور الأسدَ: اسم حقیقی ہے۔

(۲) إياك و أن تَخْذِفَ: کنکریاں مت مار (بچے کنکریاں مارا کرتے ہیں جو کبھی کسی کی آنکھ میں لگ جاتی ہے) أن تخذِف بتاویل مصدر ہو کر اسم حکمی ہے اور اس سے پہلے من محذوف ہے (کتاب میں تحذف (حاحطّی کے ساتھ) ہے اس کے معنی ہیں: خرگوش کو لکڑی سے مارنا۔ زمخشری کی مفصل میں بھی یہی لفظ ہے، مگر اس سے بہتر لفظ تخذف (خامعجمہ کے ساتھ) ہے، اس لئے میں نے شرح میں مثال بدل دی ہے اس کا خیال رکھیں) (۳) إياك من الأسدِ (۴) إياك من أن تَخْذِف (۵) اور إياك أن تخذف (اس میں من مقدر ہے) البتہ إياك الأسدَ کہنا درست نہیں، کیونکہ أن کے بغیر من محذوف نہیں ہوسکتا۔

دوسرا طریقہ: اور وقت تنگ ہو تو صرف محذر منہ کو مکرر ذکر کرتے ہیں جیسے الطريقَ الطريقَ! أى اتَّقِ نفسَك الطريقَ۔ اس صورت میں فعل اور محذر دونوں محذوف ہونگے اور الطريقَ محذر منہ ہوگا۔

ترجمہ: چوتھی جگہ تحذیر ہے: اور تحذیر اتَّقِ مقدر ماننے کے ذریعہ معمول یعنی مفعول بہ ہوتا ہے، اس چیز سے ڈرانے کے لئے جو محذّر کے بعد ہے یا محذّر منہ مکرر ذکر کیا جائے الخ۔

[٣-] المفعول فيه

هو: ما فُعِلَ فيه فعلٌ مذكورٌ: من زمان أو مكان.

وشرطُ نَصَبِه: تقديرُ في؛ وظروفُ الزمان كلُّها تقبل ذلك؛ وظروف المكان: إن كان مُبْهَمًا قَبِلَ ذلك، وإلا فلا.

[قاعدة] وفُسِّرَ المبهمُ بالجهات السِّتِّ، وحُمِلَ عليه عندَ، ولَدَى، وشِبْهُهُمَا لإِبْهَامِهِمَا، ولفظُ " مكان" لكثرته، وما بعدَ دخلتُ على الأصح.(١)

[قاعدة] ويُنْصَبُ بعامل مُضْمَرٍ، وعلى شَرِيْطَةِ التفسير.(٢)

مفعول فیہ کا بیان

پانچ مفعولوں میں سے تیسرا مفعول: مفعول فیہ ہے۔ مفعول فیہ: وہ زمانہ یا جگہ ہے جس میں اس سے پہلے ذکر کیا ہوا فعل (کام) کیا گیا ہو جیسے ضربتُ زیداً أمامَ المُدِیْر: میں نے زید کو مہتمم صاحب کے سامنے مارا۔ اس میں أمامَ المدیر مفعول فیہ ہے ـــــ مفعول فیہ کو ظرف بھی کہتے ہیں۔ پھر ظرف کی دو قسمیں ہیں: ظرف زمان اور ظرف مکان۔ ظرف زمان: جس میں وقت کے معنی پائے جائیں۔ ظرف مکان: جس میں جگہ کے معنی پائے جائیں۔ پھر ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں: مبہم اور محدود۔ مبہم جس کی کوئی حد متعین نہ ہو، جیسے دَهْر (زمانہ) محدود: جس کی حد متعین ہو، جیسے شهر (مہینہ) پس ظرف کی کل چار قسمیں ہوئیں: (۱) ظرف زمان مبہم، جیسے دَهْر، حین (۲) ظرف زمان محدود، جیسے یوم، لیل، شهر، سَنة (۳) ظرف مکان مبہم، جیسے جہاتِ ستہ: أَمَامٌ، خَلْفٌ، یمینٌ، شمالٌ، فوقَ، تحتَ (۴) ظرف مکان محدود، جیسے دار، بیت، مسجد۔

قاعدہ: مفعول فیہ کے منصوب ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ فی مقدر ہو، اگر فی مذکور ہوگا تو اسم ظرف مجرور ہوگا۔ ظرف کی پہلی تین قسمیں یعنی ظرف زمان مبہم ومحدود اور ظرف مکان مبہم فی کی تقدیر کو قبول کرتے ہیں، جیسے صمتُ شهراً أي في شهر اور چوتھی قسم یعنی ظرف مکان محدود میں فی کو لفظوں میں ذکر کرنا ضروری ہے۔ جیسے صليتُ في المسجد، مگر فعل دخل کے بعد فی نہیں آتا، جیسے دخل البيتَ، مگر دخول معنوی مراد ہو تو آتا ہے جیسے دخل في الجامعة: جامعہ میں داخلہ لیا۔

(۱) **قاعدہ:** ظرف مکان مبہم صرف جہاتِ ستہ ہیں یعنی أمام، خلف، يمين، شمال، فوق اور تحت ـــــ اور عِنْدَ (پاس) اور لَدىٰ (پاس) اور ان دونوں کے مشابہ الفاظ، جیسے دُوْنَ (وَرے) سِوٰی (علاوہ) کو ظرف مکان مبہم پر محمول کیا گیا ہے یعنی ان کے حکم میں رکھا گیا ہے یعنی ان میں بھی فی مقدر ہوتا ہے، کیونکہ ان میں بھی ایک قسم کا ابہام ہوتا ہے۔ اسی طرح لفظ مکان کو بھی جہاتِ ستہ پر محمول کیا گیا ہے، اس لئے کہ یہ کثیر الاستعمال ہے، پس تخفیف مناسب ہے اور فی کے حذف سے تخفیف ہو جائے گی اسی طرح دخلت کے بعد آنے والا ظرف مکان محدود بھی اصح قول میں جہات ستہ پر محمول کیا گیا ہے، کیونکہ یہ بھی کثیر الاستعمال ہے۔

(۲) **قاعدہ:** مفعول فیہ پر دو اور طرح سے بھی نصب آسکتا ہے: (۱) عاملِ مُضمر (پوشیدہ) کی وجہ سے، جیسے کسی نے پوچھا: متی سِرْتَ: تو کب چلا؟ آپ نے جواب میں کہا: يومَ الجمعة تو اس کا ناصب سِرْتُ پوشیدہ ہے (۲) بعد میں مفسِّر آرہا ہو تو مفعول فیہ کا ناصب پوشیدہ کر دیا جاتا ہے، جیسے يومَ الجمعة صُمْتُ فيه۔ یہاں يومَ الجمعة سے پہلے فعل صُمْتُ پوشیدہ ہے جس نے نصب دیا ہے اور اس کی تفسیر بعد والا فعل کر رہا ہے۔

ترجمہ: (۳) مفعول فیہ: وہ زمانہ یا جگہ ہے جس میں سابق میں ذکر کیا ہوا کام کیا گیا ہو۔ اور اس کے نصب کی شرط فی کی تقدیر ہے۔ اور ظرف زمان سارے اس کو

(تقدیر فی کو) قبول کرتے ہیں یعنی ان میں فی مقدر ہوسکتا ہے۔اورظروف مکان: اگرمبہم ہوں تو اس کوقبول کرتے ہیں ورنہ نہیں ـــــ قاعدہ: اورظروف مکان مبہم تفسیر کئے گئے ہیں جہات ستہ کے ساتھ یعنی چھ جہتوں پر دلالت کرنے والے الفاظ ہی ظروف مکان مبہم ہیں اوراس پرمحمول کیا گیا ہے عنداور لدی اوران دونوں کے مشابہ الفاظ ان دونوں کے مبہم ہونے کی وجہ سے اور (محمول کیا گیا ہے) لفظ مکان اس کے بکثرت استعمال کی وجہ سے،اوروہ ظرف جو دخلتُ کے بعد آئے اصح قول پر ـــــ قاعدہ: اورنصب دیا جاتا ہے مفعول فیہ عامل مضمر کے ذریعہ اورشریطۃ التفسیر کے ذریعہ۔

[٤-] المفعول له

هو: ما فُعِلَ لأَجْلِه فعلٌ مذكورٌ، مثلُ: ضربتُه تأديباً، وقعدتُ عن الحَرْبِ جُبْنًا؛ خلافاً للزُّجَاجِ؛ فإنه عنده مصدر.

وشرطُ نصَبِه: تقدير اللام، وإنما يجوز حذفُها إذا كان فعلاً لفاعل الفعل المعلَّلِ به، ومقارناً له في الوجود.

مفعول لہٗ کا بیان

چوتھا مفعول: مفعول لہٗ ہے۔مفعول لہٗ: وہ اسم ہے جس کی وجہ سے وہ کام کیا گیا ہو جو اس سے پہلے ذکر کیا گیا ہے، مفعول لہٗ منصوب ہوتا ہے، اورمفعول لہٗ کی دو صورتیں ہیں: (۱) وہ مفعول لہٗ جس کو حاصل کرنے کے لئے کوئی کام کیا گیا ہو، جیسے ضربتُه تأديباً: میں نے اس کوسلیقہ سکھانے کے لئے مارا۔اس میں مارنا تأدیب کی تحصیل کے لئے ہے یعنی مارنے سے یہ مقصد حاصل ہوگا (۲) وہ مفعول لہٗ جس کے موجود ہونے کی وجہ سے کوئی کام کیا گیا ہو، جیسے قعدتُ عن الحربِ جُبْنًا: میں

بزدلی کی وجہ سے لڑائی سے بیٹھ گیا۔ یعنی پیچھے رہا اس میں بزدلی پہلے سے موجود تھی اس لئے لڑائی میں شریک نہ ہوا ـــــ جمہور کے نزدیک مفعول لہٗ مستقل معمول ہے۔ اور زجاج نحوی کہتے ہیں: مفعول لہٗ کوئی مستقل معمول (مفعول) نہیں ہے، وہ درحقیقت مصدر یعنی مفعول مطلق ہے البتہ من غیر لفظ المصدر ہے۔

اور مفعول لہٗ کے منصوب ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ لام مقدر ہو، اگر لام مذکور ہوگا تو وہ مجرور ہوگا، جیسے ضربتُه للتأديبِ ـــــ اور لام کو حذف کرنا دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے: (۱) فعل اور مفعول لہٗ کا فاعل یعنی کرنے والا ایک ہو، جیسے مذکورہ مثالوں میں مارنے والا اور سلیقہ سکھانے والا ایک ہے، اسی طرح لڑائی سے پیچھے رہنے والا اور بزدلی کا شکار ایک ہے۔ (۲) فعل اور مفعول لہٗ کے وجود کا زمانہ ایک ہو، مذکورہ مثالوں میں مارنا اور سلیقہ سکھانا ساتھ ہے اور لڑائی سے بیٹھنا اور بزدلی ساتھ ہیں۔ پس جئتُك لإكرامك إيایَ اور أكرمتك اليومَ لوعدي بذلك لام کے ذکر کے ساتھ کہیں گے، لام کا حذف جائز نہیں۔ پہلی مثال میں آنا متکلم کا اور اکرام کرنا مخاطب کا فعل ہے۔ ایک فاعل کے دونوں فعل نہیں ہیں اور دوسری مثال میں دونوں کا زمانہ مقارن نہیں اکرام کرنا آج ہے اور وعدہ پہلے ہے۔

ترجمہ: مفعول لہٗ: وہ اسم ہے جس کی وجہ سے وہ کام کیا گیا ہو جو پہلے مذکور ہوا ہے............ برخلاف زجاج کے، پس بیشک مفعول لہٗ ان کے نزدیک مصدر (مفعول مطلق) ہے ـــــ اور اس کے نصب کی شرط: لام کی تقدیر ہے۔ اور اس کا (لام کا) حذف اسی صورت میں جائز ہے جبکہ مفعول لہٗ اس فعل کے فاعل کا کام ہو جس کے ساتھ وہ وجہ بیان کیا گیا ہے یعنی جس کا وہ مفعول لہٗ بنایا گیا ہے اور اس فعل کے ساتھ وجود (پائے جانے) میں مقارن ہو (المعلَّل: اسم مفعول ہے عَلَّله بكذا: وجہ بیان کرنا)

[٥-] المفعول معه

هو: المذكورُ بعد الواو، لمُصاحبته معمولَ فعلٍ: لفظاً أو معنى.
[قاعدة] فإن كان الفعل لفظاً، وجاز العطف: فالوجهانِ، مثلُ: جئتُ أنا وزيدٌ، وزيداً؛ وإلا تعيَّنَ النَّصَبُ، مثلُ: جئت وزيداً.
وإن كان معنىً، وجاز العطفُ: تعيَّن العطفُ، نحوُ: مالزيد وعَمرٍو؛ وإلا تعين النصبُ، مثلُ: مالك وزيداً، وماشأنُك وعَمراً، لأن المعنى: ما تصنع؟

مفعول معہ کا بیان

پانچواں مفعول: مفعول معہ ہے۔ مفعول معہ: وہ اسم ہے جو واو بمعنی مَعَ کے بعد آئے اور وہ فعل کی معمول کے ساتھ مصاحبت کو بتلائے، جیسے جاء القاسمُ والکتابَ: قاسم کتاب کے ساتھ آیا۔ اس میں الکتابَ: مفعول معہ ہے کیونکہ وہ اس واو کے بعد آیا ہے جس کے معنی ہیں: ساتھ، اور وہ فاعل کے ساتھ مصاحبت کو بتلاتا ہے ——— اور فعل خواہ لفظی ہو یا معنوی۔ مذکورہ مثال میں فعل جاء لفظی ہے اور فعل معنوی کی مثال ہے: مالَكَ وزیداً: تجھے زید سے کیا لینا ہے أی ما تَصْنَعُ وزیداً: تو زید کے ساتھ کیا کرے گا۔ اور فعل معنوی: وہ فعل ہے جو لفظ سے مستنبط کیا جا سکتا ہو۔

فائدہ: مفعول معہ کی چار صورتیں ہیں: (۱) فعل لفظوں میں ہو اور معیّت فاعل کے ساتھ ہو، جیسے جاء البَرْدُ والجُبَّاتِ: سردی جبّوں کے ساتھ آئی، یعنی سردی آتے ہی لوگوں نے جبّے پہن لئے (۲) فعل لفظوں میں ہو اور معیت مفعول کے ساتھ ہو، جیسے کفاكَ وزیداً درهمٌ: آپ کے لئے اور زید کے لئے ایک روپیہ کافی ہے۔ (۳) فعل معنوی ہو اور معیت فاعل کے ساتھ ہو، جیسے مَالَكَ وَزَيْدًا: آپ کو زید سے کیا

لینا ہے(۴)فعل معنوی ہواور معیت مفعول کے ساتھ ہو، جیسے حَسْبُكَ وزیداً درهمٌ: آپ کے لئے اور زید کے لئے ایک درہم کافی ہے۔

نوٹ: جوواو بمعنی مَعَ ہوتا ہے ضروری نہیں کہ اس کے بعد آنے والا اسم: مفعول معہ ہی ہو، جیسے کل رجل و ضَيْعَتَه میں ضيعتَه: مفعول معہ نہیں ہے، کیونکہ مفعول معہ کے لئے مقارنت زمانی یا مکانی شرط ہے جو یہاں مفقود ہے۔

قاعدہ: اگر فعل لفظی ہو، اور واو کے مابعد کا اس کے ماقبل پر عطف جائز ہو، تو مفعول معہ میں اعراب کی دو صورتیں ہیں: عطف کر کے رفع پڑھنا اور مفعول معہ بنا کر نصب پڑھنا۔ جیسے جئتُ أنا وزيدٌ/ زيداً: یہاں عطف جائز اس لئے ہے کہ ضمیر متصل کی تاکید ضمیر منفصل سے آگئی ہے ـــــ اور اگر عطف جائز نہ ہو تو نصب بر بنائے مفعولیت متعین ہوگا، جیسے جئتُ وزيداً، یہاں عطف جائز نہیں کیونکہ ضمیر متصل پر تاکید لائے بغیر عطف جائز نہیں۔

اور اگر فعل معنوی ہو، اور عطف جائز ہو تو عطف متعین ہے، جیسے مالزيدٍ وعَمرٍو: زید اور عَمرو کو ایک دوسرے سے کیا لینا ہے۔ یہاں فعل معنوی ہے اور عطف جائز ہے پس اسی کا اعتبار ہوگا ـــــ اور اگر عطف جائز نہ ہو تو نصب متعین ہوگا، جیسے مالَكَ وزيداًاور ماشأنك وعَمراً پہلی مثال مجرور بحرف کی ہے، دوسری مجرور باضافت کی اور دونوں صورتوں میں عطف جائز نہیں، کیونکہ ضمیر مجرور پر اعادۂ جار کے بغیر عطف جائز نہیں۔

ترجمہ:(۵) مفعول معہ: وہ اسم ہے جو واو بمعنی مع کے بعد مذکور ہو، اس کا ساتھ ہونا بتانے کے لئے فعل کے معمول کے ساتھ، خواہ فعل لفظی ہو یا معنوی۔

قاعدہ: پس اگر فعل لفظی ہو اور عطف جائز ہو تو دو صورتیں (رفع اور نصب) ہیں۔ ورنہ نصب متعین ہے ـــــ اور اگر فعل معنوی ہو اور عطف جائز ہو تو عطف متعین ہے.......... ورنہ نصب متعین ہے.......... اس لئے کہ معنی ہیں: ماتصنع؟ (یہ فعل معنوی مستنبط کر کے دکھلایا ہے)

مشقی سوالات

(۱) منصوب کونسا اسم ہے؟ مفعول مطلق کی عربی تعریف سناؤ اور مطلب بیان کرو

(۲) مفعول مطلق کتنے مقاصد کے لئے آتا ہے؟ مع امثلہ بیان کرو، اور بتاؤ کس کا تثنیہ وجمع آتا ہے اور کس کا نہیں آتا؟

(۳) مفعول مطلق من غیر لفظ الفعل کی مثال دو

(۴) جوازاً مفعول مطلق کے فعل کے حذف کی مثال دو

(۵) وجوباً مفعول مطلق کے فعل کے حذف کی مثال دو

(٦) مفعول مطلق قیاساً چھ جگہ وجوباً حذف کیا جاتا ہے وہ جگہیں مع امثلہ بیان کرو (خیال رہے پہلی جگہ دو ضابطوں پر مشتمل ہے)

(۷) مفعول بہ کی عربی تعریف سناؤ اور اس کی مع مثال وضاحت کرو

(۸) کیا مفعول بہ اپنے فعل سے مقدم آسکتا ہے؟ مثال دو

(۹) جوازاً مفعول بہ کے فعل کے حذف کی مثال دو

(۱۰) مفعول بہ کا فعل چار جگہ وجوباً محذوف ہوتا ہے۔ پہلی جگہ سماعی ہے اس کی مثالیں دو

(۱۱) دوسری جگہ منادی ہے۔ منادی کی عربی تعریف سناؤ اور وضاحت کرو

(۱۲) منادی کے دو اعراب مع امثلہ بیان کرو اور مستغاث کا اعراب بیان کرو

(۱۳) منادی کے توابع کتنے ہیں؟ اور ان کا اعراب کیا ہے؟

(۱۴) منادی کا تابع معرف باللام ہو تو اس کے اعراب میں خلیل، ابوعمر و اور ابو العباس کا کیا اختلاف ہے؟

(۱۵) منادی مبنی علی الرفع کے بدل اور اس معطوف کا حکم بیان کرو جو معرف باللام نہ ہو

(۱۶) جب منادی مفرد معرفہ علم ہو اور اس کی صفت ابن آئے اور وہ دوسرے علم کی طرف مضاف ہو تو اس کا کیا اعراب ہوتا ہے؟

(۱۷) کیا معرف باللام پر حرف ندا داخل ہوسکتا ہے؟ اگر نہیں ہوسکتا تو اس کے لئے حیلہ کیا ہے؟

(۱۸) یا أیھا الرجل میں الرجل کا کیا اعراب ہے اور کیوں؟ اور الرجل کا اگر تابع آئے تو اس کا کیا اعراب ہوگا؟

(۱۹) یااللّٰہ کیوں جائز ہے؟

(۲۰) یا تیم تیم عدی سے کیا مراد ہے؟ اور اس کا کیا اعراب ہے؟

(۲۱) جو منادی یائے متکلم کی طرف مضاف ہو اس میں کتنی صورتیں جائز ہیں؟

(۲۲) أب اور أم کی جب یائے متکلم کی طرف اضافت کی جائے تو ان میں کتنی صورتیں جائز ہیں؟

(۲۳) أم اور عم پر ابن یا بنت داخل کر کے منادی بنایا جائے تو ان میں کتنی صورتیں جائز ہیں؟

(۲۴) ترخیم کی تعریف کرو، منادی اور غیر منادی کی ترخیم کا کیا حکم ہے؟

(۲۵) ترخیم کے لئے مثبت اور منفی کیا شرطیں ہیں؟

(۲۶) ترخیم میں کتنے حروف حذف کئے جاتے ہیں؟ اس کا ضابطہ بیان کرو

(۲۷) ترخیم کے بعد لفظ کا کیا حکم ہوتا ہے؟

(۲۸) مندوب کس کو کہتے ہیں؟ اس کے لئے کونسے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں؟ اور اعراب و بناء میں مندوب کا کیا حکم ہے؟

(۲۹) مندوب کے آخر میں کونسے حروف بڑھا سکتے ہیں؟

(۳۰) ندبہ کس کا کیا جاسکتا ہے؟ اور کیا مندوب کی صفت میں حرفِ ندبہ بڑھا سکتے ہیں؟ اس میں کس کا اختلاف ہے؟

(۳۱) حرف ندا کن چار جگہوں میں حذف نہیں کر سکتے ؟ مع امثلہ بیان کرو

(۳۲) أصبح ليلُ، افتد مخنوقُ اور أطرق كَرَا میں اسم جنس پر سے حرف ندا کیسے حذف ہوا ہے؟

(۳۳) منادی حذف کیا جا سکتا ہے؟ مثال دو

(۳۴) ما أضمر عامله على شريطة التفسير کی عربی تعریف سناؤ اور اس کی وضاحت کرو

(۳۵) ما أضمر عامله کی چار صورتیں ہیں ان کو مع امثلہ بیان کرو

(۳۶) ما أضمر عامله کے اعراب کی پانچ صورتیں ہیں۔ تمام صورتیں مع امثلہ بیان کرو

(۳۷) الزانية والزانی سے کیا اشکال ہوتا ہے؟ اور اس کا مبرد اور سیبویہ نے کیا جواب دیا ہے؟

(۳۸) تحذیر کی عربی تعریف کرو۔ اور تحذیر کی دو صورتیں بیان کرو

(۳۹) مفعول فیہ کی عربی تعریف سناؤ اور اس کی وضاحت کرو

(۴۰) مفعول فیہ کے نصب کے لئے کیا شرط ہے؟ کونسے ظروف فی کی تقدیر کو قبول کرتے ہیں؟

(۴۱) اصلی ظرفِ مکان مبہم کیا ہیں؟ اور کون ان پر محمول ہیں؟

(۴۲) مفعول فیہ کے نصب کی دو اور صورتیں کیا ہیں؟

(۴۳) مفعول لہ کی عربی تعریف مع مثال سناؤ اور اس کی وضاحت کرو

(۴۴) مفعول لہ میں زجاج کا کیا اختلاف ہے؟

(۴۵) مفعول لہ کے منصوب ہونے کے لئے دو شرطیں کیا ہیں؟

(۴۶) مفعول معہ کی عربی تعریف سناؤ اور اس کی وضاحت کرو

(۴۷) مفعول معہ کی چاروں صورتیں مع اعراب وامثلہ بیان کرو

[٦-] الحال

ما يُبَيِّنُ هيئةَ الفاعلِ أو المفعولِ به: لفظاً أو معنىً، نحوُ: ضربتُ زيداً قائما، وزيد في الدار قائماً، وهذا زيدٌ قائماً.

وعاملها: الفعلُ أو شِبْهُهُ، أو معناه.(١)

وشرطُها: أن تكون نكرة، وصاحِبُها معرفةً غالباً.(٢)

[فائدة] وأرْسَلَهَا العِرَاكَ، ومررتُ به وحدَه، ونحوُه: متأوَّلٌ.(٣)

حال کا بیان

حال: وہ اسم ہے جو فاعل کی یا مفعول بہ کی (یا دونوں کی) حالت بیان کرے (جو صدورِ فعل یا وقوعِ فعل کے وقت ہوتی ہے) اور فاعل ومفعول بہ عام ہیں خواہ لفظی ہوں یا معنوی (لفظی: وہ ہیں جو منطوقِ کلام سے سمجھے جائیں اور معنوی: وہ ہیں جو لفظ کے علاوہ کسی اور امر سے سمجھے جائیں)

مثالیں: (۱) ضربتُ زیداً قائما: یہ فاعلِ لفظی اور مفعول لفظی دونوں سے حال واقع ہونے کی مثال ہے۔ پس اگر قائما ضمیر متکلم سے حال ہے تو ترجمہ ہوگا: ''میں نے زید کو اپنے کھڑے ہونے کی حالت میں مارا'' اور اگر زیداً سے حال ہو تو ترجمہ ہوگا: ''میں نے زید کو اس کے کھڑے ہونے کی حالت میں مارا'' (۲) زید فی الدار قائما: یہ بھی فاعل لفظی سے حال واقع ہونے کی مثال ہے، مگر یہ فاعل لفظی حقیقی نہیں بلکہ حکمی ہے، کیونکہ قائما اس ضمیر سے حال ہے جو فی الدار میں ہے۔ ترجمہ ہے: ''زید گھر میں (ٹھہرا ہوا) ہے اپنے کھڑے ہونے کی حالت میں'' زید استقَرَّ فی

الدار قائما: پس قائما استقر کی ضمیر فاعل سے حال ہے(٣) هذا زیدقائماً: یہ مفعول بہ معنوی سے حال واقع ہونے کی مثال ہے۔تقدیرکلام ہے:أُشیر إلی زیدٍ حالَ کونِه قائما: اشارہ کرتا ہوں میں زید کی طرف درانحالیکہ وہ کھڑا ہے۔إلی زید: مفعول بہ معنوی ہے۔

(١) حال منصوب ہوتا ہے،اوراس کا عامل فعل یا شبہ فعل یا معنی فعل ہوتے ہیں۔ اورمعنی فعل سے مراد وہ اسم ہے جس میں فعل کے معنی پائے جائیں، جیسے هذا میں أُشیر کے معنی پائے جاتے ہیں، جیسے جاء زید راکباً (فعل کے عامل ہونے کی مثال)زید فی الدار قائما(شبہ فعل کے عامل ہونے کی مثال، تقدیر عبارت ہے: زید مستَقِرٌّ فی الدار قائما)هذا زید نائما: أی أشیر إلی زید نائما(یہ معنی فعل کے عامل ہونے کی مثال ہے)

(٢) حال کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو(اور وہ اکثر مفرد ہوتا ہے) اور ذوالحال اکثر معرفہ ہوتا ہے۔جیسے جاء زید راکباً: زید ذوالحال معرفہ ہےاور حال راکباً نکرہ مفرد ہے۔

(٣)ایک سوال کا جواب ہے۔سوال: آپ نے ابھی کہا کہ حال کے لئے نکرہ ہونا شرط ہے، حالانکہ محاورات میں حال معرفہ بھی آیا ہے۔ جیسے:(١) أَرْسَلَهَا العِرَاكَ میں العِرَاكَ: حال ہے حالانکہ وہ معرفہ ہے(٢)اسی طرح مررتُ به وحده (میں اس کے پاس سے گذرا درانحالیکہ وہ تنہا تھا)اس میں وحده حال ہے حالانکہ وہ مرکب اضافی ہونے کی وجہ سے معرفہ ہے(٣)اسی طرح فعلتَه جُهْدَكَ(تونے اپنی کوشش بھر کام کیا)اس میں جهدَكَ حال ہے حالانکہ وہ معرفہ ہے۔

جواب: یہ سب حال بتاویل مفرد ہیں۔ان کے معانی ہیں:(١)مُعْتَرِكاً (٢)منفرداً (٣)مجتهداً۔

پہلی مثال کی وضاحت:أَرْسَلَها العِرَاكَ: لبید شاعر کے شعر کا ایک ٹکڑا ہے

أرسل کا فاعل: گورخر ہے اور ضمیر مؤنث ھا کا مرجع اس کی مادینین ہیں۔لبید نے یہ منظر دیکھا کہ ایک گورخر اپنی مادینوں کے ساتھ چشمہ پر آیا۔ مادینوں کو پانی پینے کے لئے چھوڑ دیا اور خود ان کی نگہبانی کے لئے ایک طرف کھڑا ہو گیا تا کہ کوئی شکاری ان کا شکار نہ کرے، لبید نے یہ منظر دیکھ کر کہا:

أَرْسَلَهَا العِرَاكَ ولم يَذُدْها ۞ ولم يُشْفِقْ على نَغَصِ الدِّخَالِ

ترجمہ: گورخر نے اپنی مادینوں کو پانی پر ہجوم کرتے ہوئے چھوڑ دیا، اور ان کو (جمع ہونے سے) ہٹایا نہیں÷ اور نہ اس کا خوف کیا کہ وہ جمع ہونے کی حالت میں پوری طرح سیراب نہ ہو سکیں گی۔

لغات: العِراكَ: پانی پر اونٹوں کا ہجوم کرنا کہتے ہیں: أَوْرَدَ إبلَه العِرَاكَ: وہ اپنے اونٹوں کو اکٹھا کر کے پانی پر لایا............ ذَادَ يَذُوْدُ ذَوْدًا: ہٹانا، دفع کرنا............ أَشْفَقَ إِشْفَاقًا: ڈرنا............ نَغَصَ الشاربُ: پینے والے کا شکم سیر ہو کر نہ پی سکنا، پیاسا رہ جانا............ الدِّخَال فی الوِرْد: اونٹوں کو گھاٹ پر پانی پلانے کا ایک طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جو اونٹ پانی پی چکا ہے اسے مزید سیراب کرنے کے لئے ایسے دو اونٹوں کے درمیان کھڑا کرتے ہیں جو پہلی مرتبہ پی رہے ہیں، کہتے ہیں هو سَقٰى إبلَه دِخَالاً............ اس طریقے سے سیراب کرنے میں فائدہ یہ ہے کہ یہ سیراب ہوا ہوا اونٹ دائیں بائیں والے اونٹوں کے دیکھا دیکھی اور پیئے گا تو مزید سیراب ہو گا۔ اور اس طریقہ میں نقصان یہ ہے کہ بھیڑ میں پینا چاہے گا تو بھی نہیں پی سکے گا یہ نَغَصُ الدِّخَالَ ہے۔

[قاعدة] فإن كان صاحِبُها نكرةً: وجب تقديمها.[1]

[قاعدة] ولا تتقدَّم على العامل المعنوى، بخلاف الظروف، ولا على المجرور على الأصح.[2]

[قاعدة] وكلُّ مادلَّ على هيئةٍ: صَحَّ أن يقعَ حالاً، مثلُ: هذا بُسْرًا

أَطْيَبُ منه رُطَبًا.(٣)

[قاعدة] وقد تكون جملةً خبرية:(٤)

[الف] فالاسميةُ: بالواو والضمير، أو بالواو، أو بالضمير على ضعف.

[ب] والمضارعُ المثبت: بالضمير وحده.

[ج] وما سواهما: بالواو والضمير، أو بأحدهما.

[د] ولابد فى الماضى المثبت من قد: ظاهرةً أو مقدَّرةً.

[قاعدة] ويجوز حذفُ العامل، كقولك للمسافر: راشِدًا مَهْدِيًّا.(٥)

[قاعدة] ويجب فى المؤكِّدَةِ، مثلُ: زيدٌ أبوك عَطُوْفًا، أى: أُحِقُّهُ وشرطها: أن تكون مقرِّرَةً لمضمونِ جملةٍ اسمية.(٦)

(۱) قاعدہ: ذوالحال کے لئے معرفہ ہونا ضروری ہے، اگر ذوالحال نکرہ ہوتو حال کو مقدم کرنا واجب ہے، تا کہ اس میں تخصیص پیدا ہو اور صفت سے اشتباہ ختم ہو، جیسے لقیتُ فاضلاً رجلاً: ملاقات کی میں نے ایک شخص سے اس کے فاضل ہونے کی حالت میں۔ اس میں فاضلاً اگر ذوالحال سے مؤخر ہوگا تو ممکن ہے اس کو کوئی صفت سمجھ لے اور یہ ترجمہ کرے: ''میں نے فاضل آدمی سے ملاقات کی'' حالانکہ یہ مقصود نہیں، اس لئے تقدیم ضروری ہے۔

(۲) قاعدہ: حال: عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوسکتا، کیونکہ عامل معنوی ضعیف عامل ہے، وہ ماقبل میں عمل نہیں کرسکتا۔ ہاں ذوالحال ظرف ہوتو مقدم ہوسکتا ہے، کیونکہ ظرف میں وسعت ہے۔ جیسے زید قائما فی الدار: اس میں قائما حال ہے فی الدار کی ضمیر سے أی زید قائما استقر / مستقرٌّ فی الدار۔

اسی طرح اگر ذوالحال مجرور ہوتو بھی اصح قول کے مطابق حال کی تقدیم جائز نہیں، مجرور بالاضافہ میں تو عدم جواز متفق علیہ ہے پس جاء تْنی مجرداً عن الثیاب

ضاربۃُزید (زید کی مارنے والی میرے پاس کپڑوں سے ننگی آئی) کہنا جائز نہیں، اس لئے کہ اس میں مجرداً عن الثیاب: حال ہے اور ضاربۃُ زید (مرکب اضافی) ذوالحال ہے، پس یہ تقدیم بالاتفاق جائز نہیں۔ اور جار مجرور پر حال کی تقدیم کے جواز وعدم جواز میں اختلاف ہے۔ سیبویہ کے نزدیک جائز نہیں، مصنف رحمہ اللہ نے اسی کو اصح مذہب قرار دیا ہے، اور بعض کے نزدیک جائز ہے، جیسے ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ﴾ میں کافۃً: للناس سے حال ہے اور مقدم ہے۔

(۳) بعض لوگ کہتے ہیں: حال کے لئے مشتق یا معنیً مشتق میں ہونا شرط ہے یعنی اس کو بتاویل مشتق بنانا ضروری ہے۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بات شرط نہیں، جو بھی اسم ہیئت (حالت) پر دلالت کرے وہ حال ہوسکتا ہے خواہ مشتق ہو یا جامد، جیسے هذا بُسْرًا أطيبُ منه رُطَبًا: یہ بحالت بُسر (گدری ہونے کی حالت میں) اس سے اچھی ہے رُطب (پختہ ہونے کی حالت) سے یعنی پکّی سے نیم پکی اچھی لگتی ہے۔ اس میں بُسْراً اور رُطَبا: حال ہیں حالانکہ دونوں اسم جامد ہیں۔ اور ذوالحال هذا میں اشارہ کے معنی ہیں۔

(۴) قاعدہ: حال چونکہ مبتدا کی خبر کی طرح ہوتا ہے اس لئے عام طور پر نکرہ مفرد ہوتا ہے، مگر کبھی خبر کی طرح جملہ اسمیہ بھی حال ہوتا ہے (جملہ انشائیہ بغیر تاویل کے حال نہیں ہوسکتا) اور جملہ چونکہ اپنے معنی پر دلالت کرنے میں مستقل ہوتا ہے اور حال کا ذوالحال سے ارتباط ضروری ہے، اس لئے جب جملہ حال واقع ہو تو اس میں حرفِ ربط ہونا ضروری ہے۔ اور حرفِ ربط دو ہیں: واو اور ضمیر، پس:

(الف) جب جملہ اسمیہ حال واقع ہو تو اس میں واو اور ضمیر دونوں لائیں گے یا صرف واو لائیں گے، صرف ضمیر لانا ضعیف ہے، جیسے جئتُ وأنا راكب: میں سوار ہونے کی حالت میں آیا (واو اور ضمیر دونوں کی مثال) كنتُ نبيا وآدم بين الماء والطين: میں نبی تھا درانحالیکہ آدمؑ پانی اور مٹی کے درمیان تھے (صرف واو کی مثال)

اور کلّمتہ فُوْہٗ إلی فِیَّ: میں نے اس سے منہ درمنہ بات کی (صرف ضمیر کی مثال، فوہٗ میں ضمیر ہے یہ ترکیب ضعیف ہے)

(ب) اور جب مضارع مثبت حال واقع ہوتو تنہا ضمیر ربط کے لئے کافی ہے، کیونکہ مضارع مثبت اسم فاعل کے مشابہ ہے اور اسم فاعل میں تنہا ضمیر کافی ہوتی ہے، مگر ضروری ہے کہ فعل مضارع حرفِ استقبال (سین اور لن) سے خالی ہو، جیسے جاء نی زید یَسْرَع: زید میرے پاس تیزی سے آیا۔

(ج) اور مذکورہ دونوں صورتوں کے علاوہ یعنی جب حال مضارع منفی ہو یا ماضی مثبت یا منفی ہوتو واو اور ضمیر دونوں ربط کے لئے لائیں گے اور ان میں سے کسی ایک پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے (اس صورت میں صرف ضمیر پر اکتفا کرنا ضعیف نہیں) جیسے جاء نی زید وما یتکلم غلامُہ (واو اور ضمیر دونوں کی مثال، غلامُہ کی ضمیر زید کی طرف راجع ہے) جاء نی زید ما یتکلم غلامُہ (صرف ضمیر کی مثال) جاء نی زید وما یتکلم عَمْرو (صرف واو کی مثال) اور یہ سب مثالیں مضارع منفی کی ہیں ـــــ ماضی مثبت کی مثالیں: جاء نی زید وقد خرج غلامُہ (واو اور ضمیر دونوں کی مثال) جاء نی زید قد خرج غلامُہ (صرف ضمیر کی مثال) جاء نی زید وقد خرج عمرٌو (صرف واو کی مثال) ـــــ ماضی منفی کی مثالیں: جاء نی زید وما خرج غلامُہ، جاء نی زید ما خرج غلامُہ اور جاء نی زید وما خرج عَمرو۔

(د) اور جب ماضی مثبت حال واقع ہوتو اس پر قد داخل کرنا ضروری ہے، خواہ قد لفظوں میں ہو یا مقدر ہو جیسے جاء نی زید قد رکب غلامُہ (قد لفظوں میں ہے) ﴿جَاءُ وْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ﴾ أی قد حَصِرَتْ (قد مقدر ہے) (النساء ۹۰)

(۵) قاعدہ: جب کوئی قرینہ حالیہ یا مقالیہ موجود ہوتو حال کے عامل کو حذف کرنا جائز ہے، جیسے سفر میں جانے والے سے کہنا: راشداً مهدياً: أی سِرْ: راہِ راست پر ہدایت پائے ہوئے جا۔

(٦) قاعدہ: حالِ مؤکّدہ میں عامل کوحذف کرنا واجب ہے۔ حالِ مؤکدہ: وہ حال ہے جو عام طور پر ذوالحال سے جدا نہ ہوتا ہو جیسے زیدأبوك عطوفاً: زید تیرا باپ بالیقین مہربان ہے أی أُحِقُّه عطوفاً ـــــ اوراس حال کے عامل کے حذف کے واجب ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ حال جملہ اسمیہ کے مضمون کو ثابت کرنے والا ہو (اگر جملہ کے بعض اجزاء کو ثابت کرتا ہو تو عامل کا حذف واجب نہیں، جیسے ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلاً﴾ اس میں رسولاً حال ہے اور صرف رسالت کو ثابت کرتا ہے، اسی طرح اگر حال جملہ فعلیہ کو ثابت کرتا ہو تو بھی اس کے عامل کا حذف واجب نہیں جیسے ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِياً﴾ اس میں قرآنا عربیاً حال ہے اور جملہ فعلیہ کی تاکید کرتا ہے)

ترجمہ: قاعدہ: پس ذوالحال نکرہ ہو تو اس کی تقدیم واجب ہے (لفظ الحال مؤنث سماعی ہے اس لئے اس کی طرف مؤنث ضمیر لوٹائی ہے) قاعدہ: اور حال: عاملِ معنوی پر مقدم نہیں ہوتا، برخلاف ظروف کے اور نہ مجرور پر مقدم ہوتا ہے، اصح قول کے مطابق ـــــ قاعدہ: اور ہر وہ اسم جو کسی حالت پر دلالت کرے: اس کا حال واقع ہونا درست ہے، .... قاعدہ: اور حال کبھی جملہ خبریہ ہوتا ہے (الف) پس جملہ اسمیہ واواور ضمیر کے ساتھ، یا واو کے ساتھ ہوتا ہے یا ضمیر کے ساتھ ہوتا ہے کمزوری کے ساتھ ـــــ (ب) اور مضارع مثبت: تنہا ضمیر کے ساتھ ہوتا ہے ـــــ (ج) اور ان دونوں کے علاوہ واو اور ضمیر کے ساتھ یا دونوں میں سے ایک کے ساتھ ہوتا ہے ـــــ (د) اور ماضی مثبت میں قد کا ہونا ضروری ہے، خواہ ظاہر ہو یا مقدر ـــــ قاعدہ: اور حال کے عامل کو حذف کرنا جائز ہے، جیسے آپ کا مسافر سے کہنا: راشداً مهدياً ـــــ قاعدہ: اور تاکید کرنے والے حال میں حذفِ عامل واجب ہے جیسے زید تیرا باپ ہے مہربان ہونے کی حالت میں یعنی میں اس کو ثابت کرتا ہوں، اور حالِ مؤکدہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ جملہ اسمیہ کے مضمون کو ثابت کرنے والا ہو۔

[۷-] التمييز

ما يرفعُ الإبهامَ المُسْتَقِرَّ عن ذاتٍ: مذكورةٍ أو مقدَّرةٍ.

فالأول:[1]

[۱-] عن مفردٍ مقدارٍ غالباً:

[الف] إما في عددٍ، نحوُ: عشرون درهماً، وسيأتي.

[ب] وإما في غيره، نحوُ: رِطلٌ زيتاً، ومَنْوَانِ سَمْنًا، وقفيزانِ بُرًّا، وعلى التمرة مثلُها زُبْدًا.

فَيُفْرَدُ: إن كان جنسا، إلا أن تُقْصَدَ الأنواعُ، ويُجْمَعُ في غيره.

ثم إن كان بتنوينٍ، أو بنونِ التثنية جازت الإضافة، وإلا فلا.

[۲-] وعن غير مقدارٍ، مثلُ: خاتَمٌ حديداً؛ والخفضُ أكثر.

تمیز کا بیان

ممیَّز (باب تفعیل سے اسم مفعول) واضح کیا ہوا۔ اور مُمَیِّزْ (اسم فاعل) یعنی واضح کرنے والا۔ ممیَّز: وہ ہے جس کے ابہام کو تمیز دور کرتی ہے۔ اور ممیِّز: تمیز ہی کا دوسرا نام ہے ـــــ اردو رسم الخط میں تمیز ایک یاء سے لکھتے ہیں اور عربی میں تمییز دو یاء سے لکھی جاتی ہے۔

تمیز: وہ اسم ہے جو ذاتِ مذکورہ یا ذاتِ مقدرہ سے ابہام راسخ کو دور کرے یعنی لفظ کے معنی موضوع لہٗ میں جو ابہام بیٹھا ہوا ہے اس کو تمیز دور کرتی ہے ـــــ اور ذاتِ مذکورہ یا ذاتِ مقدرہ میں اشارہ ہے کہ تمیز کی دو قسمیں ہیں: ایک: وہ تمیز ہے جو ذات مذکورہ سے یعنی پہلے ذکر کی ہوئی چیز سے ابہام مستقر کو دور کرتی ہے، جیسے رِطْلٌ

زَيْتًا۔زیت نے رطل کا ابہام دور کیا ہے۔دوسری: وہ تمیز ہے جو ذاتِ مقدرہ سے یعنی فرض کی ہوئی ذات سے ابہام مستقر کو دور کرتی ہے۔جیسے طاب زيدٌ نفساً: زید اچھی طبیعت کا آدمی ہے۔اس کی تقدیرِ عبارت طاب شيئ منسوبٌ إلى زيد ہے۔اس میں تمیز نفساً نے شیئ کے ابہام کو دور کیا ہے جو ذاتِ مقدرہ ہے،جس کا عبارت میں ذکر نہیں۔

(۱)قسم اول کا بیان: وہ تمیز جو ذاتِ مذکورہ سے ابہام کو دور کرتی ہے اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں:

(۱)وہ اکثر مفرد مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے۔مفرد سے مراد یہ ہے کہ وہ جملہ یا شبہ جملہ نہ ہو۔اور مقدار: اس چیز کو کہتے ہیں جس سے چیزوں کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ اور یہ چار چیزیں ہیں: عدد(گنتی) وزن(تول) کَیل(پیمانہ) اور مساحت(زمین کی پیمائش)

(۲)اور کبھی مفرد غیر مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے اور غیر مقدار سے مراد یہ ہے کہ وہ عدد، وزن، کیل اور مساحت نہ ہو۔جیسے خاتمٌ حديداً: لوہے کی انگوٹھی۔اور یہ تمیز اکثر مجرور ہوتی ہے، جیسے خاتمُ حديدٍ۔(اس دوسری صورت کا ذکر عبارت کے بالکل آخر میں ہے)

پھر پہلی صورت کی دو صورتیں ہیں:

(الف) وہ عدد کے ابہام کو دور کرے، جیسے عشرون درهما(عدد کی تمیز کا بیان آگے تفصیل سے اسمائے عدد کے بیان میں آرہا ہے)

(ب) یا عدد کے علاوہ کا ابہام دور کرے، یعنی وزن، کیل اور مساحت کا ابہام دور کرے، جیسے رِطْلٌ زَيْتًا: آدھ سیر تیل مَنَوَانِ سَمْنًا: ایک سیر گھی، قفيزانِ بُرًّا: دو قفیز گیہوں۔(ایک قفیز ۳۹ کلو کا ہوتا ہے) اور على التمرة مثلُها زُبْدًا: کھجور پر اس کے بقدر مکھن ہے، زُبْدًا: تمیز ہے اس نے مثل کا ابہام دور کیا ہے۔

تمیز کی پہلی قسم کا عامل اسم تام ہوتا ہے۔ اسم تام: وہ اسم ہے جس کا آخر ایسا ہو کہ وہ مضاف نہ بن سکے۔ اس کی چار صورتیں ہوتی ہیں: (۱) اسم کے آخر میں تنوین ہو، جیسے رطلٌ کے آخر میں (۲) آخر میں تثنیہ کا نون ہو، جیسے منوانِ اور قفیزان کے آخر میں (۳) آخر میں جمع کا نون ہو، اس کی مثال مصنف رحمہ اللہ نے نہیں دی جیسے عشرون رجلاً (۴) اس کی ایک بار اضافت ہو چکی ہو، جیسے مِثلُها (اور معرف باللام کی بھی اضافت نہیں ہو سکتی مگر وہ اسم تام نہیں کیونکہ الف لام اس کے شروع میں ہوتا ہے، آخر میں نہیں ہوتا)

اور تمیز کی یہ پہلی قسم اگر اسم جنس ہو تو مفرد آئے گی، تثنیہ جمع نہیں آئے گی۔ البتہ اگر اس کی دو یا چند انواع کو بیان کرنا مقصود ہو تو تثنیہ جمع لائیں گے۔ اور اگر تمیز اسم جنس نہ ہو تو اسم تام کے موافق تثنیہ جمع آئے گی، جیسے عندی عدل ثوبین/ أثوابًا۔

پھر اگر وہ اسم: تنوین یا نون تثنیہ کے ذریعہ تام ہوا ہے تو تمیز کی طرف اس کی اضافت درست ہے اور اگر نون جمع یا اضافت کے ذریعہ تام ہوا ہے تو تمیز کی طرف اس کی اضافت درست نہیں۔

ترجمہ: تمیز کا بیان: تمیز: وہ اسم ہے جو کسی ذات سے ٹھہرنے والے ابہام کو اٹھائے، خواہ وہ ذات ذکر کی ہوئی ہو یا مان لی گئی ہو ——— پس پہلی قسم: (۱) عام طور پر مفرد مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے: (الف) یا تو کسی عدد (گنتی) میں ——— (ب) یا غیر عدد میں ابہام کو دور کرتی ہے ——— پس تمیز مفرد لائی جاتی ہے اگر وہ اسم جنس ہو، مگر یہ کہ انواع کا قصد کیا جائے، اور جمع لائی جائے گی اسم جنس کے علاوہ میں ——— پھر اگر ہو وہ (تمیز کا عامل) تنوین کے ذریعہ یا نون تثنیہ کے ذریعہ (تام ہونے والا) تو اضافت جائز ہے، ورنہ نہیں ——— (۲) اور وہ تمیز غیر مقدار سے ابہام کو اٹھائے گی جیسے خاتمٌ حدیدًا اور (اس صورت میں) جر اکثر ہوتا ہے یعنی خاتم کی حدید کی طرف اضافت کی جاتی ہے۔

والثاني:

[١-] عن نسبة في جملة، أو ما ضاهاها، مثلُ: طاب زيدٌ نفساً، وزيدٌ طَيِّبٌ أباً، وأُبُوَّةً، وداراً، وعلماً.

[٢-] أو في إضافةٍ، مثلُ: يُعْجِبُنِيْ طيبُه أبًا، وأُبُوَّةً، وداراً، وعلماً، ولله دَرُّهُ فارساً.

[فائدة] ثم إن كان اسماً يَّصِحُّ جعلُه لِمَا انْتَصَبَ عنه: جاز أن يكون له، ولمتعلّقِه؛ وإلا فهو لمتعلِّقِه؛ فَيُطَابِقُ فيهما ما قُصِدَ، إلا إذا كان جنساً؛ إلا أن تُقْصَدَ الأنواعُ.

وإن كان صفةً: كانت له وطِبْقَه، واحتملتِ الحالَ.

[قاعدة] ولايتقدَّم على عامله، والأصحُّ: أن لا يتقدَّم على الفعل، خلافاً للمازِني والمبرد.

دوسری قسم کا بیان: وہ تمیز جوذاتِ مقدرہ سے ابہام کو اٹھاتی ہے اس کی بھی دو صورتیں ہیں:

(۱) تمیز جملہ یا شبہ جملہ میں نسبت کے ابہام کو دور کرے، جیسے طاب زید نفساً (یہ جملہ میں نسبت کے ابہام کو دور کرنے کی مثال ہے) زید طَيِّبٌ أبًا/ أبوةً/ داراً/ علماً: زید باپ کے اعتبار سے/ باپ ہونے کے اعتبار سے/ گھر کے اعتبار سے/ علم کے اعتبار سے اچھا ہے (یہ شبہ جملہ میں نسبت کے ابہام کو دور کرنے کی مثالیں ہیں)

(۲) تمیز اضافت میں موجود ابہام کو دور کرے۔ جیسے يُعجبني طِيْبُهُ أباً/ أبوةً/ داراً/ علماً: حیرت میں ڈالا مجھے اس کے باپ کے اعتبار سے/ باپ ہونے کے اعتبار سے/ گھر کے اعتبار سے/ علم کے اعتبار سے عمدہ ہونے نے۔ طيبُه: مرکب اضافی ہے أبا وغیرہ نے اس کی نسبت کے ابہام کو دور کیا ہے۔ للّٰه دَرُّهُ فارساً: اللّٰہ

کے لئے اس کی خوبی ہے شہ سوار ہونے کے اعتبار سے، فارساً نے دَرُّہ (مرکب اضافی) کی نسبت کے ابہام کو رفع کیا ہے۔

فائدہ: پھر یہ دوسری قسم کی تمیز اگر ایسا اسم ذات ہو جس کا ممیّز سے بھی تعلق قائم کیا جاسکتا ہو اور اس سے تعلق رکھنے والی کسی چیز سے بھی تعلق قائم کیا جاسکتا ہو تو دونوں میں سے کسی سے بھی تعلق قائم کیا جائے گا۔ اور اگر اس اسم ذات کا ممیّز ہی سے تعلق قائم کیا جاسکتا ہو تو پھر تمیز کو اسی سے متعلق کریں گے اور دونوں صورتوں میں تمیز مقصد کے موافق لائے جائے گی۔ البتہ اگر تمیز اسم جنس ہو تو ہر حال میں مفرد آئے گی۔ مگر یہ کہ انواع کا قصد کیا جائے تو پھر تثنیہ جمع لائیں گے ـــــ اور اگر تمیز اسم صفت ہو تو اس کا تعلق صرف ممیّز سے ہوگا، اور اسی کے مطابق آئے گی۔ البتہ اس صورت میں حال بننے کا احتمال رہے گا۔

وضاحت: (۱) مُنْتَصَبْ عنه یعنی ممیَّز۔ انْتَصَبَ: کھڑا ہونا۔ عنه: اس کی جانب سے مُمَیَّز کی جانب سے تمیز کھڑی ہوتی ہے اور اس کے ابہام کو رفع کرتی ہے اس لئے ممیَّز کو منتصب عنه کہتے ہیں۔

(۲) تمیز کا تعلق ممیّز سے بھی کیا جاسکتا ہو اور اس کے کسی متعلق سے بھی، جیسے **طاب زیدٌ أباً** کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: (۱) زید خود باپ ہو یعنی وہ باپ ہونے کے اعتبار سے اچھا ہے یعنی وہ اچھا باپ ہے (۲) زید کا باپ مراد ہو یعنی زید باپ ہونے کے اعتبار سے اچھا ہے یعنی اس کا باپ اچھا آدمی ہے، اس صورت میں تمیز کا تعلق زید سے نہیں ہوگا، بلکہ اس کے باپ سے ہوگا۔ غرض ایسی صورت میں **أباً** کو دونوں کی تمیز قرار دیا جاسکتا ہے۔

(۳) اور اگر تمیز: ممیّز کے متعلق ہی کی ہوسکتی ہو، جیسے **طاب زید أبوۃ** یا **طاب زیدا علماً** یا **طاب زید داراً** تو یہ تمیزیں زید کی نہیں ہونگی، اس کے متعلق کی ہونگی۔ اور مذکورہ دونوں صورتوں میں تمیز مقصد کے مطابق آئے گی۔ کہیں گے: طاب

زید أبا/ والزیدان أبوین/ والزیدون آباء ـــــ ہاں تمیز اگر اسم جنس ہو تو پھر اس کو مفرد لائیں گے، جیسے طاب زید/ الزیدان/ الزیدون علماً ـــــ البتہ اگر انواع کا ارادہ کیا جائے تو پھر تثنیہ جمع لائیں گے، جیسے طاب الزیدان علمَیْن/ والزیدون علوماً ـــــ اور اگر تمیز اسم صفت ہو اور اس کا تعلق ممیّز ہی سے ہو سکتا ہو تو وہ اسی کی تمیز ہوگی۔ جیسے طاب زید والداً۔ یہاں ایک احتمال متعین ہے اور وہ زید کے باپ ہونے کا ہے، اس کے باپ کا یہاں احتمال نہیں۔ یہ احتمال صرف أباً میں تھا اور اس صورت میں مفرد تثنیہ جمع اور تذکیر و تانیث میں تمیز: ممیّز کے مطابق آئے گی۔ البتہ حال ہونے کا احتمال باقی رہے گا، جیسے طاب زید فارساً میں فارساً حال بھی ہو سکتا ہے۔

(۱) قاعدہ: تمیز اپنے عامل سے پہلے نہیں آسکتی، کیونکہ اس کا عامل اگر اسم تام ہو تو وہ ضعیف عامل ہے، اگر اس کا معمول مقدم ہوگا تو وہ اس میں عمل نہ کر سکے گا، اسی طرح اگر اس کا عامل فعل ہو تو بھی زیادہ صحیح مذہب یہ ہے کہ تمیز مقدم نہیں ہو سکتی، کیونکہ تمیز درحقیقت فاعل ہے اور فاعل فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ البتہ مازنی اور مبرد اس دوسری صورت میں تمیز کی تقدیم کو جائز کہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ تمیز اگرچہ فاعل ہے مگر منصوب ہونے کی وجہ سے اس کی فاعلیت باقی نہیں رہی اور فعل عامل قوی ہے اس لئے تمیز پہلے آسکتی ہے۔

ترجمہ: اور دوسری قسم: (جو ذاتِ مقدرہ سے ابہام کو اٹھاتی ہے) جملہ میں اور اس چیز میں جو جملہ کے مشابہ ہے نسبت سے ابہام کو اٹھائے گی (ضاهاه: مشابہ ہونا) جیسے زیدٌ طیب أبا: زید اچھا باپ ہے یا اس کا باپ اچھا ہے، زید طیب أبوۃ: زید اچھا باپ ہے، زید طیب داراً زید کا گھر اچھا ہے۔ زید طیب علما: زید کا علم اچھا ہے ـــــ (۲) یا اضافت میں نسبت کے ابہام کو اٹھائے گی، جیسے یُعجبنی طِیْبُ زیدٍ أبًا: حیرت میں ڈالا مجھے زید کی باپ ہونے کے اعتبار سے عمدگی نے (اس میں

بھی دونوں احتمال ہیں أباً: زید کی تمیز بھی ہوسکتا ہے اوراس کے باپ کی بھی) اور أبو ۃ میں صرف ایک ہی احتمال ہے یعنی یہ زید کی تمیز ہے ـــــ پھر اگر تمیز کی یہ دوسری قسم ایسا اسم ہو جس کو منتصب عنہ (ممیَّز) کے لئے گردانا جاسکتا ہو تو جائز ہے کہ تمیز ممیّز کے لئے ہو اوراس سے تعلق رکھنے والی چیز کے لئے ہو۔ ورنہ یعنی اگر اس کو ممیّز کا حال قرار نہ دے سکتے ہوں تو وہ ممیّز سے تعلق رکھنے والی چیز کے لئے ہوگی۔ پس تمیز دونوں صورتوں میں اس کے مطابق آئے گی جس کا قصد کیا گیا ہے، مگر جبکہ تمیز اسم جنس ہو (تو مفرد آئے گی) مگر یہ کہ انواع کا قصد کیا گیا ہو (تو تثنیہ جمع آئے گی) ـــــ اور اگر تمیز اسم صفت ہو تو وہ صفت ممیّز کے لئے ہوگی اوراس کے مطابق آئے گی (واو بمعنی مع ہے اور طِبْقٌ بمعنی مطابقة ہے) اور وہ اسم صفت حال کا احتمال رکھے گا ـــــ
قاعدہ: اور تمیز اپنے عامل پر مقدم نہیں ہوتی اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ تمیز فعل پر بھی مقدم نہیں ہوتی، برخلاف مازنی اور مبرد کے۔

[۸-] المستثنیٰ

المستثنیٰ: متصلٌ ومنقطع.

فالمتصل: هو المُخْرَجُ عن متعددٍ: لفظاً أو تقديراً، بإلاَّ وأَخَواتِهَا.

والمنقطع: المذكورُ بعدها، غَيْرُ مُخْرَجٍ.

[إعرابه]

[۱-] وهو منصوبٌ:

[الف] **إذا كان بعدَ إلَّا غيرِ الصفة فی كلام موجَبٍ.**

[ب] **أو مقدَّما على المستثنیٰ منه.**

[ج] **أو منقطعاً؛ فی الأكثر.**

[د] **أو كان بعدَ خلاَ، وعَدَا؛ فی الأكثر.**

[هـ] **أو ما خلاَ، وما عداَ، وليس، ولايكون.**

مستثنیٰ کا بیان

استثناء: (مصدر) نکالنا۔ مستثنیٰ (اسم مفعول) نکالا ہوا۔ مستثنیٰ: وہ اسم ہے جس کو حرف استثناء کے ذریعہ ماقبل کے حکم سے نکالا گیا ہو، جیسے جاء القومُ إلا زیداً: پورا قبیلہ آیا مگر زید نہیں آیا۔ حروف استثناء نو ہیں: إلّا، غیر، سِوی، سَواء، حاشا، خلا، عدا، ما خلا، ما عدا ــــــ مستثنیٰ منہ: وہ اسم ہے جو حرفِ استثناء سے پہلے واقع ہو، اور اس میں سے مستثنیٰ کو نکالا گیا ہو، مذکورہ مثال میں قوم مستثنیٰ منہ ہے۔

مستثنیٰ کی ماقبل میں داخل ہونے نہ ہونے کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں: مستثنیٰ متصل اور مستثنیٰ منفصل (منقطع)

۱- مستثنیٰ متصل: وہ ہے جو إلا اور اس کی بہنوں کے ذریعہ متعدد چیزوں سے نکالا گیا ہو، خواہ وہ متعدد چیزیں (مستثنیٰ منہ) لفظاً متعدد ہوں یا تقدیراً، جیسے جاء نی القومُ إلا زیداً (القوم لفظوں میں موجود ہے اور وہ متعدد افراد کا مجموعہ ہے اس میں سے زید کو نکالا گیا ہے) ماجاء نی إلا زیدٌ (اس میں بھی زید کو قوم سے نکالا گیا ہے مگر وہ لفظوں میں مذکور نہیں)

۲- مستثنیٰ منقطع: وہ ہے جو إلا اور اس کی بہنوں کے بعد مذکور ہو، اور متعدد سے نہ نکالا گیا ہو، اس لئے کہ وہ مستثنیٰ منہ میں داخل ہی نہیں ہوتا جیسے جاء نی القومُ إلا حمارَهم۔

مستثنیٰ کا اعراب:

پہلا اعراب: مستثنیٰ پانچ صورتوں میں وجوباً منصوب ہوتا ہے:

پہلی صورت: جب مستثنیٰ کلام موجب میں إلا غیر صفتی کے بعد آئے۔ کلام موجب: وہ کلام ہے جس میں نفی، نہی اور استفہام نہ ہو۔ اور إلا غیر صفتی وہ إلا ہے جو غیر اور سوی کے معنی میں نہ ہو، بلکہ إلا استثنائی ہو تو اس کے بعد جو مستثنیٰ

آئے گا وہ وجوباً منصوب ہوگا، جیسے جاء نی القومُ إلا زیداً : میرے پاس زید کے علاوہ ساری قوم آئی۔

دوسری صورت: جب مستثنیٰ: مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو، خواہ کلام موجب ہو یا غیر موجب، جیسے جاء نی إلا زیداً القومُ اور ماجاء نی إلا زیداً أحدٌ۔

تیسری صورت: جب مستثنیٰ منقطع إلا کے بعد واقع ہو، جیسے ما فی الدار أحد إلا حماراً (یہ اکثر نحویوں کا مذہب ہے)

چوتھی صورت: جب مستثنیٰ خلا یا عدا کے بعد آئے،، جیسے جاء نی القوم خلا/ عدا زیداً (یہ بھی اکثر نحویوں کا قول ہے)

پانچویں صورت: جب مستثنیٰ ماخلا، ما عدا، لیس اور لایکون کے بعد آئے، جیسے جاء نی القوم ما خلاَ/ ما عدا زیداً اور جاء نی القوم لیس زیداً اور سیجیئ أهلك لایکون زیداً : آپ کی فیملی زید کے علاوہ عنقریب آئے گی۔

نوٹ: مستثنیٰ کے باقی تین اعراب آگے آرہے ہیں۔

ترجمہ: مستثنیٰ: متصل اور منقطع ہے۔ پس متصل: وہ ہے جو متعدد سے نکالا ہوا ہو، خواہ وہ متعدد لفظوں میں مذکور ہو یا مانا ہوا ہو إلا اور اس کی بہنوں کے ذریعہ ——— اور منقطع: وہ ہے جو إلا وغیرہ کے بعد ذکر کیا ہوا ہو درانحالیکہ وہ نکالا ہوا نہیں ہے ——— (مستثنیٰ کا اعراب)(۱) اور مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے: (الف) جب وہ کلام موجب میں إلا غیر صفتی کے بعد واقع ہو (ب) یا مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو (ج) یا مستثنیٰ منقطع ہو، اکثر نحویوں کی رائے میں (د) یا خلا اور عدا کے بعد آئے، اکثر نحویوں کی رائے میں (ھ) یا ماخلا، ما عدا، لیس اور لایکون کے بعد آئے۔

[۲-] ویجوز فیه النصبُ، ویُختارُ البدلُ: فیما بعدَ إلاَّ، فی کلام غیرِ مُوْجَبٍ، وذُکر المستثنیٰ منه، مثلُ: ما فعلوہ إلا قلیلٌ، وإلا قلیلاً.

[٣-] ويُعْرَبُ على حَسْبِ العوامل، إذا كان المستثنىٰ منه غيرَ مذكور، وهو في غير الموجَبِ، لِيُفِيْد، مثلُ: ماضربني إلا زيدٌ؛ إلا أن يستقيمَ المعنى، مثلُ: قرأتُ إلا يومَ كذا.

[فائدة] ومن ثَمَّ لم يُجُزْ مثلُ: مازالَ زيدٌ إلا عالماً.(١)

[قاعدة] وإذا تعذَّر البدل على اللفظ فعلى الموضِع، مثلُ: ماجاء ني من أحد إلا زيدٌ، ولا أحدَ فيها إلا عَمْرٌو، وما زيدٌ شيئًا إلا شيئٌ لا يُعْبَأُ به:

لأن "مِن" لا تُزاد بعد الإثبات، ومَا ولَا: لا تُقَدَّرَانِ عاملتَين بعدَه، لأنهما عَمِلَتا للنفي، وقد انتقض النفي بإلَّا.

بخلاف: ليس زيدٌ شيئًا إلا شيئًا، لأنها عَمِلَتْ للفعلية، فلا أثر فيها لنقض معنى النفي، لبقاء الأمر العاملة هي لأجْله.

ومن ثَمَّ جاز: ليس زيدٌ إلا قائماً؛ وامتنع: مازيدٌ إلا قائماً.

[٤-] ومخفوضٌ بعدَ غيرِ، وسِوٰى، وسواءٍ، وبعدَ حاشا في الأكثر.

دوسرا اعراب: جب مستثنیٰ إلا کے بعد کلام غیر موجب میں واقع ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو مستثنیٰ میں نصب بر بنائے استثناء جائز ہے اور مستثنیٰ منہ سے بدل بنانا بہتر ہے، جیسے ﴿مَا فَعَلُوْهُ إِلَّا قَلِيْلٌ﴾: اس میں إلا قليلاً بھی جائز ہے۔

تیسرا اعراب: جب مستثنیٰ إلا کے بعد کلام غیر موجب میں آئے اور مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو عامل کے چاہنے کے مطابق اعراب دیا جائے گا، جیسے ماضربنی إلا زيدٌ: مجھے زید ہی نے مارا۔ اور کلام غیر موجب کی قید اس لئے ہے کہ اسی صورت میں کلام بامعنی ہوگا۔ کلام موجب میں تو بے معنی ہو جائے گا، جیسے ضربنی إلا زید: مجھے زید کے علاوہ سب نے مارا۔ یہ بات کیونکر ممکن ہے؟ ــــــ البتہ اگر کلام موجب میں معنی درست ہوں تو پھر حسب عوامل اعراب دیا جا سکتا ہے جیسے قرأتُ إلا يوم كذا:

میں نے فلاں دن کے علاوہ ہر دن میں پڑھا یہ بات معقول ہے، کیونکہ کل چھ دن ہیں ان میں پڑھنا ممکن ہے، پس یہاں علی حسب العوامل اعراب دیا جاسکتا ہے۔

(۱) فائدہ: کلام موجب میں مستثنیٰ منہ کا حذف کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کلام کے معنی درست نہ ہوں، چنانچہ ماذال زید إلا عالماً: کہنا جائز نہیں، کیونکہ اس کے معنی ہیں: زید ہمیشہ رہا مگر عالم یعنی صفت علم کے علاوہ دیگر تمام صفات کے ساتھ ہمیشہ متصف رہا۔ یہ بات کیونکر ممکن ہے؟

(۲) قاعدہ: مستثنیٰ کے اعراب کی دوسری صورت میں بدل بنانا مختار تھا۔ اس صورت میں اگر مستثنیٰ منہ کے لفظ پر حمل کرتے ہوئے بدل بنانا دشوار ہو تو مستثنیٰ منہ کے محل پر حمل کر کے بدل پڑھیں گے، تاکہ بقدر امکان بہتر صورت پر عمل ہو سکے، جیسے ماجاء نی من أحدٍ إلا زيدٌ: میرے پاس زید کے سوا کوئی نہیں آیا۔ اور لا أحدَ فی الدار إلا عَمْرٌو: گھر میں کوئی نہیں سوائے عمرو کے اور ما زيدٌ شيئًا إلا شيئٌ لا يُعْبَأُ به: زید کچھ نہیں، ہاں بے حیثیت چیز ہے، اس میں لایعبأ بہ مستثنیٰ کی صفت ہے اور یہ صفت اس لئے لائی گئی ہے کہ شئ کا استثناء اس کی ذات سے لازم نہ آئے، صفت لانے کے بعد مستثنیٰ منہ عام اور مستثنیٰ خاص ہو گیا، اور خاص کا عام سے استثناء درست ہے۔

پہلی مثال میں لفظ پر حمل کرتے ہوئے بدل قرار دینا اس وجہ سے نادرست ہے کہ بدل قرار دینے کی صورت میں من کا زید سے پہلے اعادہ ضروری ہوگا، اور من استغراقیہ اثبات کے بعد زیادہ نہیں ہوتا۔ اور دوسری اور تیسری مثال میں لفظ پر حمل اس لئے نادرست ہے کہ لا کو عمرو پر اور ما کو شیئ پر عامل مقرر نہیں کر سکتے، اس لئے کہ لائے نفی جنس اور ما مشابہ بلیس معنیٔ نفی کی وجہ سے عمل کرتے ہیں اور نفی دونوں صورتوں میں إلا کی وجہ سے ٹوٹ جاتی ہے۔

اس لئے محل پر حمل کر کے مرفوع پڑھیں گے، کیونکہ دوسری مثال میں أحد مبتدا ہونے کی وجہ سے اور تیسری مثال میں شیئٌ خبر ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہیں۔

البتہ لیس زیدٌ شیئًا إلا شیئًا لا یعبأ بہ: درست ہے، اس لئے کہ لیس فعل ہونے کی وجہ سے عمل کرتا ہے، معنیٔ نفی کی وجہ سے عمل نہیں کرتا، پس إلا کی وجہ سے نفی ختم ہونے کے بعد بھی وہ عمل کرسکتا ہے۔

چنانچہ لیس زیدٌ إلا قائما کہنا درست ہے، کیونکہ لیس کا عمل فعلیت کی وجہ سے ہے، نفی ختم ہونے کے بعد بھی وہ عمل کرسکتا ہے۔اور ما زید إلا قائما کہنا درست نہیں، کیونکہ نفی ٹوٹنے کے بعد ما عمل نہیں کرسکتا۔

چوتھا اعراب: جب مستثنیٰ غیر، سِوىٰ اور سَوَاء کے بعد آئے تو وہ اضافت کی وجہ سے مجرور ہوگا اور اکثر نحویوں کے نزدیک حاشا کے بعد بھی مجرور ہوتا ہے۔

ترجمہ: (۲) اور مستثنیٰ میں نصب جائز ہے اور بدل بنانا پسند کیا جاتا ہے: اس مستثنیٰ میں جو إلا کے بعد ہو، کلام غیر موجب میں اور مستثنیٰ منہ ذکر کیا گیا ہو، ....
(۳) اور مستثنیٰ اعراب دیا جاتا ہے عوامل کے موافق جبکہ مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو اور وہ مستثنیٰ کلام غیر موجب میں ہوتا کہ وہ فائدہ دے، جیسے ماضربنی إلا زید، مگر یہ کہ معنی درست ہوں، .... (فائدہ) اور اسی وجہ سے جائز نہیں مازال إلخ............
(قاعدہ) اور جب لفظ سے بدل بنانا متعذر ہو تو محل پر محمول کریں گے، .... اس لئے کہ مِن: اثبات کے بعد نہیں بڑھایا جاتا۔ اور ما اور لا مقدر نہیں مانے جاتے عامل ہونے کی حالت میں إلا کے بعد، اس لئے کہ وہ دونوں نفی کی وجہ سے عمل کرتے ہیں اور تحقیق نفی إلا کے ذریعہ ٹوٹ گئی ہے ـــــ برخلاف لیس زید شیئا إلا شیئا کے، اس لئے کہ لیس فعل ہونے کی وجہ سے عمل کرتا ہے، پس کوئی اثر نہیں لیس میں نفی کے معنی کے ٹوٹنے کا، اس امر کے باقی رہنے کی وجہ سے جس کی وجہ سے لیس عمل کرتا ہے یعنی اس کی فعلیت باقی ہے ـــــ اور اسی جگہ سے جائز ہے لیس زید إلا قائما اور ناجائز ہے مازید إلا قائما ـــــ (۴) اور مستثنیٰ: غیر، سوی اور سواء کے بعد مجرور ہوتا ہے اور اکثر کے نزدیک حاشا کے بعد بھی۔

[قاعدة] وإعرابُ غيرَ فيه كإعراب المستثنىٰ بإلَّا.(۱)
[قاعدة] وغيرُ: صفةٌ حُمِلَتْ على " إلا" في الاستثناء، كما حُمِلَتْ "إلا" عليها في الصفة، إذا كانت تابعةً لجمع مَنْكُوْرٍ، غيرِ محصور، لتعذُّر الاستثناء، مثلُ:﴿ لَوْ كَانَ فِيْهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ وضَعُفَ في غيره.(۲)
[قاعدة] إعرابُ سِوىً، وسِواءٍ: النصبُ على الظرف على الأصح.(۳)

(۱) قاعدہ: لفظ غیر کا اعراب بابِ استثناء میں ــــ نہ کہ صفت میں ــــ مستثنیٰ بہ إلا کے اعراب کی طرح ہے، کیونکہ جب لفظ غیر نے اپنے ما بعد کو مجرور کردیا تو گویا مستثنیٰ کے اعراب کو اس نے خود اوڑھ لیا۔ اور غیر بابِ صفت میں موصوف کے ساتھ معرب ہوتا ہے، جیسا کہ اگلے قاعدہ میں آرہا ہے۔

(۲) قاعدہ: لفظ غیر میں اصل یہ ہے کہ وہ صفت واقع ہو، جیسے جاء نی رجل غیرُ زید: میرے پاس زید کے علاوہ آدمی آیا۔ لیکن کبھی غیر کو إلا پر محمول کرکے استثناء میں استعمال کرتے ہیں، جیسے جاء نی القوم غیرَ زیدٍ۔

اور لفظ إلا میں اصل یہ ہے کہ وہ استثناء میں مستعمل ہو، لیکن کبھی اس کو غیر پر محمول کرکے صفت کے لئے استعمال کرتے ہیں، اور ایسا اس وقت کیا جاتا ہے جب إلا ایسی جمع کے بعد آئے جو نکرہ غیر محصور ہو یعنی اس کے افراد شمار کئے ہوئے نہ ہوں، جیسے جاء نی رجالٌ إلا زید۔ یہاں إلا استثناء کے لئے نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ زید نہ مستثنیٰ متصل ہوسکتا ہے نہ منقطع، اس لئے کہ متصل میں مستثنیٰ: مستثنیٰ منہ میں یقیناً داخل ہوتا ہے اور منقطع میں یقیناً داخل نہیں ہوتا اور زید کا جماعتِ رجال میں نہ داخل ہونا متعین ہے نہ داخل ہونا۔ ہاں جاء نی الرجال إلا زیداً میں زید بالیقین مستثنیٰ منہ میں داخل

ہے، کیونکہ الرجال: معرف باللام ہونے کی وجہ سے سب مردوں کوشامل ہے، پس یہ استثناء متصل ہے اور پہلی مثال میں إلا بمعنی غیر ہے۔

اور جمع منکور (نکرہ) غیر محصور کی قید اس لئے لگائی کہ اگر إلا سے پہلے جمع محصور ہوگی تو وہاں استثناء جائز ہوگا، جیسے لِزَیدٍ علیَّ عشرة دراھم إلا واحداً أو اثنین، کیونکہ ایک تا نو عشرۃ میں داخل ہیں۔

دوسری مثال: باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ اگر آسمان وزمین میں اللہ کے علاوہ معبود ہوتے تو دونوں درہم برہم ہوجاتے۔ یہاں إلا بمعنی غیر ہے کیونکہ آلِھة جمع منکور غیر محصور ہے اور آلھةٌ میں اللہ کا داخل ہونا اور نہ ہونا یقینی نہیں، اس لئے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہوسکتا، پس لامحالہ إلا اللہ: آلھة کی صفت ہوگا۔

اور إلا کو غیر صفتی پر جمع منکور غیر محصور کے علاوہ میں محمول کرنا ضعیف ہے، کیونکہ دیگر جگہوں میں استثناء صحیح ہوگا اور إلا میں اصل استثناء ہے۔

(۳) قاعدہ: سوی اور سواء پر ظرف ہونے کی وجہ سے نصب آتا ہے۔ یہ سیبویہ کا مذہب ہے اور وہی اصح ہے۔ اوران کی ظرفیت مقدرہ (فرض کی ہوئی) ہے پس جاء نی القوم سِویٰ زیدٍ کی تقدیر مکانَ زیدٍ ہے۔

ترجمہ: (قاعدہ) اور غیر کا اعراب استثناء میں إلا کے ذریعہ مستثنیٰ کے اعراب کی طرح ہے ـــــــ (قاعدہ) اور غیر ُصفت ہے وہ استثناء میں إلا پر محمول کیا گیا ہے، جس طرح إلا: غیر پر محمول کیا گیا ہے صفت میں، جبکہ إلا ایسی جمع کے بعد آنے والا ہو جو نکرہ غیر محصور ہو (منکور اور نکرہ ایک ہیں) استثناء دشوار ہونے کی وجہ سے .... اور اس کے علاوہ میں یعنی جمع منکور غیر محصور کے علاوہ میں ضعیف ہے یعنی إلا کو بمعنی غیر لینا کمزور مذہب ہے ـــــــ (قاعدہ) سوی اور سواء کا اعراب نصب ہے بر بنائے ظرفیت صحیح ترین قول کے مطابق۔

[۹-] خبر كان وأخواتها

هو: المسنَدُ بعد دخولها، مثلُ: كان زيد قائما.

وأَمْرُه كأمرِ خبرِ المبتدأ، ويتقدَّم معرفةً.(۱)

[قاعدة] وقد يُحْذَفُ عامِلُه في نحوِ: "الناس مَجْزِيُّوْنَ بأعمالهم: إِن خيراً فخيرٌ، وإن شَرًّا فَشَرٌّ" ويجوز في مثلها أربعة أَوْجُهٍ.(۲)

[قاعدة] ويجب الحذفُ في مثلٍ:" أَمَّا أنت مُنْطَلِقًا: انْطَلَقْتُ" أي: لِأَنَّ كنتَ.(۳)

افعال ناقصہ کی خبر کا بیان

زمخشری رحمہ اللہ نے افعال ناقصہ کے اسم وخبر کو ایک ساتھ بیان کیا ہے۔ چنانچہ مصنف رحمہ اللہ نے مرفوعات کے بیان میں ان افعال کے اسم کا تذکرہ نہیں کیا اور یہاں بھی اس کا تذکرہ چھوڑ دیا۔ یہ عجیب بات ہے! افعال ناقصہ سترہ ہیں: كان، صار، أصبح، أمسى، أضحى، ظلَّ، بات، ما فَتِئَ، مادام، ماانْفَكَّ، ليس، عاد، راح، ما بَرِحَ، مازال، آض اور غدا۔ یہ سب نواسخ جملہ ہیں۔ جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں اور مبتدا کو اپنا اسم اور خبر کو اپنی خبر بنالیتے ہیں۔ ان کے داخل ہونے کے بعد جملہ کا جو جز مسند الیہ ہوتا ہے وہ ان کا اسم اور جو جز مسند ہوتا ہے وہ ان کی خبر ہوتا ہے۔ یہ افعال اپنے اسم کو رفع اور خبر کو نصب دیتے ہیں۔ کان: خبر کو اسم کے لئے گذشتہ زمانہ میں ثابت کرتا ہے۔ صار: حالت کی تبدیلی کے لئے آتا ہے۔ اس کے بعد کے پانچ افعال جملہ کے مضمون کو اپنے اپنے اوقات کے ساتھ ملاتے ہیں اور ما فَتِئَ سے چار افعال استمرار خبر کے لئے ہیں یعنی یہ بتاتے ہیں کہ ان کی خبر ان کے اسم کے لئے ہمیشہ سے ثابت ہے اور مادام: خبر کے ثابت رہنے کے زمانہ تک کسی کام کا

وقت بتانے کے لئے ہے اور لیس: زمانۂ حال میں جملہ کے مضمون کی نفی کرتا ہے اور آخری چار افعال صار کے معنی میں آتے ہیں۔

(۱) کان کی خبر کا حال مبتدا کی خبر کی طرح ہے۔ بس ایک بات میں جدا ہے۔ وہ یہ ہے کہ مبتدا کی خبر معرفہ ہو تو اس کا مبتدا پر مقدم کرنا جائز نہیں، کیونکہ التباس لازم آئے گا اور کان کی خبر معرفہ ہو تو بھی اسم سے مقدم آسکتی ہے، کیونکہ اختلاف اعراب کی وجہ سے التباس پیدا نہ ہوگا۔ (البتہ اگر کان کے اسم وخبر میں اعراب اور قرینہ منتفی ہوں تو خبر کی تقدیم جائز نہیں، جیسے کان الفتی ھذا)

(۲) قاعدہ: جب إنْ شرطیہ کے بعد کوئی اسم آئے پھر فاء آئے پھر دوسرا اسم آئے، جیسے إن خیراً فخیر تو کان کو حذف کرنا جائز ہے، دیگر افعال ناقصہ کو حذف کرنا جائز نہیں اور اس تخصیص کی وجہ کان کا کثیر الاستعمال ہونا ہے۔ اور ایسی ترکیب میں چار صورتیں جائز ہیں: (۱) إن خیراً فخیرٌ یعنی اول کا نصب کان محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے اور دوسرے اسم کا رفع: مبتدا کی خبر ہونے کی وجہ سے (یہ صورت چاروں صورتوں میں اقوی ہے) (۲) إن خیراً فخیراً یعنی دونوں اسموں کا نصب کان محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے (۳) إن خیر فخیر یعنی دونوں کا رفع: اول کا رفع کان کا اسم ہونے کی بنا پر اور ثانی کا رفع مبتدا ہونے کی بنا پر (۴) إن خیر فخیرا یعنی اول کا رفع کان کا اسم ہونے کی بنا پر اور ثانی کا نصب کان کی خبر ہونے کی بنا پر۔

اور عبارت کے معنی یہ ہیں: لوگ اپنے اعمال کی جزا دیئے جائیں گے اگر عمل اچھا ہوگا تو اچھی جزا ملے گی اور عمل برا ہوگا تو بری جزاء ملے گی۔

(۳) قاعدہ: جب کان کو حذف کر کے اس کی جگہ میں کوئی چیز لائی جائے تو اب کان کو محذوف رکھنا واجب ہے ورنہ عوض اور معوّض عنہ کا اجتماع لازم آئے گا۔ جیسے أَمَّا أنتَ منطلقاً انطلقت: میں آپ کے چلنے والا ہونے کی وجہ سے چلنے والا ہوں۔ اس میں أَمَّا أنتَ کی اصل ہے: لِأَنْ کنتَ۔ پہلے لام کو حذف کیا، کیونکہ أَن سے پہلے

لام محذوف رہتا ہے، پھر کان کو حذف کیا تو ضمیر متصل ضمیر منفصل أنت ہوگئی، پھر کان کے عوض میں ما زائدہ لائے اور نون کا میم میں ادغام کیا تو أمَّا أنت ہوگیا۔اب کان کو محذوف رکھنا واجب ہے، کیونکہ اس کے بدل ما آ گیا۔

[-۱۰] اسمُ إنَّ وأَخَوَاتها

هو: المسنَدُ إليه بعدَ دخولها، مثلُ: " إن زيدًا قائم"

[-۱۱] المنصوبُ بلا التى لِنَفْيِ الجنس

هو: المسندُ إليه بعد دخولها، يَلِيْهَا نكرةً مضافاً أو مُشَبَّهًا به، مثلُ: "لاغلامَ رجلٍ ظريفٌ فيها" و"لاعشرين درهماً لك"

فإن كان مفرداً: فهو مبنيٌّ على ما يُنْصَبُ به.(۱)

وإن كان معرفةً، أو مفصولاً بينه وبين لا: وجب الرفع والتكرير.

(۱۰) حروف مشبہ بالفعل کا اسم

دسواں منصوب: حروف مشبہ بالفعل کا اسم ہے۔ یہ حروف بھی نواسخ جملہ ہیں۔ جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں۔اور مبتدا کو اپنا اسم اور خبر کو اپنی خبر بنا لیتے ہیں اور ان کا اسم مسند الیہ اور خبر مسند ہوتی ہے جیسے إن زیداً قائم: بیشک زید کھڑا ہے۔

(۱۱) لائے نفی جنس کا منصوب

گیارہواں منصوب: لائے نفی جنس کا اسم ہے۔مگر مصنف رحمہ اللہ نے اسم لا التی نہیں کہا، کیونکہ اس لا کا اسم ہمیشہ منصوب نہیں ہوتا، پس اگر اسم لا کہتے تو وہم ہوتا کہ لا کا اسم ہر حال میں منصوب ہوتا ہے۔

لائے نفی جنس بھی نواسخ جملہ میں سے ہے۔اس لا کے داخل ہونے کے بعد جملہ

کا جو جز مسند الیہ ہوتا ہے وہی لا کا اسم ہوتا ہے اور منصوب ہوتا ہے۔ البتہ اس کے نصب کے لئے تین شرطیں ہیں: (۱) اسم لا سے متصل آئے (۲) اسم نکرہ ہو (۳) اسم مضاف یا شبہ مضاف ہو۔ جیسے لاغلامَ رجلٍ ظریفٌ فی الدار (نکرہ مضاف کی مثال) اور لاعشرین درهماً لك (نکرہ مشابہ مضاف کی مثال)

(۱) پس اگر لائے نفی جنس کا اسم مفرد ہو یعنی تیسری شرط فوت ہو تو علامتِ نصب پر مبنی ہوگا۔ اور مفرد سے مراد یہ ہے کہ وہ مضاف یا شبہ مضاف نہ ہو۔ پس یہ حکم تثنیہ وجمع کو بھی شامل ہوگا، جیسے لا رجلَ/ مسلمَیْن/ مسلمِین/ مسلماتٍ فی الدار اور اس کے مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ مِنْ کو متضمن ہوتا ہے، لا رجلَ أی ما من رجل۔

اور اگر نکرہ ہونے کی شرط منتفی ہو یعنی دوسری شرط منتفی ہو اور لا کا اسم معرفہ ہو یا اتصال کی شرط معدوم ہو یعنی پہلی شرط منتفی ہو اور لا اور اسم کے درمیان فصل ہو تو پھر وہ اسم مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا اور لا کی تکرار دوسرے معرفہ کے ساتھ ضروری ہوگی (عبارت میں أو مانعۃ الخلو کا ہے یعنی دونوں باتوں سے خالی نہ ہو، جمع ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں) جیسے لا زیدٌ فی الدار ولا عمرو (صرف معرفہ کی مثال) لا فی الدار رجل ولا امرأة (صرف فصل کی مثال) لا فی الدار زید ولا عمرو (فصل اور معرفہ دونوں کی مثال)

[فائدة] ومثلُ: " قضيةٌ ولا أباحسنٍ لها" متأوَّلٌ.[1]

[فائدة] وفی مثلِ: "لاحولَ ولا قوةَ إلا بالله": خمسةُ أوجُهٍ: فَتْحُهُمَا، وفتحُ الأول ونصَبُ الثانی، ورفعُه، ورفعُهُما، ورفعُ الأول ــ على ضُعْفٍ ــ وفتح الثانی.[2]

[قاعدة] وإذا دخلَتِ الهمزةُ: لم يتغيرِ العملُ؛ ومعناها: الاستفهام، والعرض، والتَّمَنِّیُّ.[3]

(۱) فائدہ: ابھی قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ جب لا کا اسم معرفہ ہو تو رفع اور تکرار واجب ہے، مگر قَضِيَّةٌ ولا أبا حَسَنٍ لها میں ابوالحسن معرفہ ہے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے اور نہ مرفوع ہے نہ مکرر۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قول میں تاویل کی گئی ہے: پہلی تاویل: مضاف محذوف ہے أي لا مِثْلَ أبي حسنٍ، اور لفظ مثل اگرچہ معرفہ کی طرف مضاف ہے مگر ابہام کی زیادتی کی وجہ سے وہ اضافت سے بھی معرفہ نہیں ہوا۔ دوسری تاویل: علم سے مراد وہ صفت ہے جس کے ساتھ صاحب علم مشہور ہے۔ جیسے حاتم سے سخاوت مراد لی جاتی ہے اسی طرح یہاں ''فیصلہ کرنے کی غیر معمولی صلاحیت'' مراد ہے، اور جب وصفِ مشہور مراد لیا تو علمیت اور تعریف باطل ہوگئی ـــــ صحابہ کے زمانہ میں جب کوئی مشکل پیش آتی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کو حل فرماتے، اس لئے یہ محاورہ ہوگیا۔ جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا ہے اور کوئی اس کو حل کرنے والا نہیں ہوتا تو کہتے ہیں: ''قضیہ ہے یعنی یہ ایک اہم معاملہ ہے اور اس کو حل کرنے والے ابوالحسن یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود نہیں ہیں!''

(۲) فائدہ: جب لا بطور عطف مکرر آئے اور ہر لا کے بعد نکرہ متصلًا آئے، جیسے لا رجل في الدار ولا امرأة اور جیسے لاحول ولا قوة إلا بالله تو وہاں پانچ صورتیں جائز ہیں: (۱) دونوں کا فتح یعنی دونوں زبر پر مبنی اور لا برائے نفی جنس (۲) اول کا فتح یعنی زبر پر مبنی اور ثانی کا نصب یعنی معرب اور اس کا اعراب زبر۔ اس صورت میں پہلا لا برائے نفی جنس اور دوسرا لا زائد برائے تاکید ہے (۳) اول کا فتح یعنی زبر پر مبنی اور ثانی کا رفع یعنی اعرابی پیش۔ پہلا لا برائے نفی جنس اور دوسرا لا زائد اور قوة کا عطف حول کے محل پر وہ بر بنائے ابتدأ محلاً مرفوع ہے (۴) دونوں کا رفع یعنی دونوں پر اعرابی پیش مبتدا ہونے کی وجہ سے اور دونوں لا: مُلْغٰی (زائد) (۵) اول کا رفع اور ثانی کا فتح، پہلا لا مشابہ بہ لیس اور دوسرا لا برائے نفی جنس۔ مگر یہ صورت ضعیف ہے اس لئے کہ لا بمعنی لیس کا عمل قلیل ہے (نوٹ: بنائی حرکت کے نام ضمہ، فتح، کسرۃ

اور وقف ہیں اور اعرابی حرکت کے نام ضمہ، نصب، جر اور سکون ہیں)

(۳) قاعدہ: جب لائے نفی جنس پر ہمزہ داخل ہو تو اس کا عمل نہیں بدلے گا۔ پس اگر لا کا اسم مبنی ہے تو مبنی ہی رہے گا اور معرب ہے تو معرب ہی رہے گا، اور ہمزہ کبھی استفہام کے لئے ہوگا، جیسے ألا رجلَ في الدار؟ کبھی عرض کے لئے، جیسے ألا نزولَ عندي! اور کبھی تمنّی کے لئے، جیسے ألا ماءَ أَشْرَبُهُ۔

[قاعدة] ونعتُ المَبْنِيِّ الأوَّلُ مفرداً يليه: مبنيٌّ، ومعربٌ: رفعاً ونصباً، مثلُ: لا رجلَ ظريفَ، وظريفٌ، وظريفاً؛ وإلا فالإعراب.[۱]
[قاعدة] والعطفُ على اللفظ وعلى المَحَلِّ جائز، مثلُ: لا أبا وابناً، وابنٌ.[۲]

(۱) قاعدہ: لائے نفی جنس کے اسم مبنی بر فتح کی پہلی صفت جبکہ مفرد اور متصل ہو: اس میں تین وجوہ جائز ہیں: (۱) مبنی بر فتح ہو جیسے لا رجلَ ظریفَ (۲) مرفوع ہو، جیسے لا رجلَ ظریفٌ (۳) منصوب ہو یعنی اس پر اعرابی زبر آئے، جیسے لا رجلَ ظریفاً، پہلی وجہ کی وجہ یہ ہے کہ لا درحقیقت صفت پر داخل ہے، کیونکہ صفت موصوف کے لئے قید ہوتی ہے اور جب نفی مقید پر داخل ہوتی ہے تو قید کی نفی ہوتی ہے، اور باقی دو وجہوں کی وجہ یہ ہے کہ مبنی کا تابع اعراب میں تابع ہوتا ہے، بناء میں تابع نہیں ہوتا، کیونکہ بناء ایک عارضی امر ہے، پھر صفت کو محل پر حمل کریں گے تو مرفوع ہوگی، لا کا اسم مبتدا ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے اور لفظ پر حمل کریں گے تو منصوب ہوگی۔

اور اگر اُس صفت میں مذکورہ تینوں باتیں نہ ہوں یعنی وہ پہلی صفت نہ ہو دوسری یا تیسری ہو یا مفرد نہ ہو بلکہ مضاف یا شبہ مضاف ہو یا متصل نہ ہو تو وہ صرف معرب ہوگی اور مرفوع ہوگی یا منصوب۔ محل بعید (لا کے اسم کے محل) پر حمل کریں گے تو رفع

آئے گا، اوراس کے لفظ پر حمل کریں گے یا محل قریب پر حمل کریں گے تو نصب آئے گا۔(الأول: نعت کی صفت ہے اور مفرداً اور یلیہ حال ہیں)

(۲) قاعدہ: لائے نفی جنس کے اسم مبنی پر عطف جائز ہے، جبکہ اسم نکرہ ہو اور لا مکرر نہ ہو، اور اس وقت معطوف میں دو وجہ جائز ہیں: (۱) لفظ پر حمل کر کے نصب پڑھنا (۲) محل پر حمل کر کے رفع پڑھنا، جیسے لا أبَ وابناً اور لا أَبَ وابنٌ ـــــ یہ ہمام بن غالب کے شعر کا ٹکڑا ہے، اس نے مروان بن الحکم اور اس کے بیٹے عبد الملک کی مدح میں کہا ہے:

ولا أبَ وابناً مثلُ مروانَ وابنِه ۞ إذا هو بالمَجْدِ ارْتَدیٰ وتَأَزَّرَا

ترجمہ: مروان اور اس کے بیٹے (عبد الملک) کی طرح نہ کوئی باپ ہے نہ کوئی بیٹا ÷ جب مروان نے بزرگی کی چادر اور لنگی پہن لی ـــــ اس میں ابناً کو منصوب اور مرفوع دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔

[فائدة] ومثلُ: "لا أَبَاله" و" لا غلامَيْ له": جائز، تشبيها له بالمضاف، لمشاركتِهِ له في أصل معناه؛ ومن ثَمَّ لم يُجْز:" لا أَبَا فيها" وليس بمضاف، لفساد المعنى، خلافاً لسيبويه.(۱)

[فائدة] ويُحْذَفُ كثيرًا في مثلِ: "لا عليك" أى لا بأسَ عليك.(۲)

(۱) فائدہ: اگر یہ کہنا ہو کہ فلاں ثابت النسب نہیں تو کہیں گے لا أبَ له اور یہ کہنا ہو کہ فلاں کا کوئی غلام نہیں تو کہیں گے لا غلامَ له (کیونکہ نکرہ تحت النفی عام ہوتا ہے) اس صورت میں لا کا اسم علامتِ نصب پر مبنی ہوگا اور له خبر ہوگی، مگر کبھی کہتے ہیں: لا أبَا له اور لا غلامَيْ له یعنی لائے نفی جنس کے اسم کے بعد لام اضافت لاتے ہیں اور اسم پر اضافت کے احکام جاری کرتے ہیں اور لا أباً کی تنوین حذف کر کے الف باقی رکھتے ہیں اور غلامین میں سے تثنیہ کا نون حذف کر دیتے ہیں۔ اگرچہ

حقیقت میں یہ دونوں مضاف نہیں ہیں، مگر مضاف کے ساتھ چونکہ اصل معنی (تخصیص) میں شریک ہیں اس لئے مضاف کے ساتھ تشبیہ دے کران پر اضافت کے احکام جاری کرتے ہیں۔ چنانچہ لا أبَا فی الدار کہنا درست نہیں، کیونکہ اضافت کے اصل معنی (تخصیص) اس میں نہیں پائے جاتے ـــــ بہرحال ان دونوں ترکیبوں میں لا کا اسم حقیقۃً مضاف نہیں، صرف مضاف کے مشابہ ہے، کیونکہ حقیقۃً مضاف ماننے کی صورت میں معنی غلط ہوجائیں گے۔اس وقت معنی ہونگے: ''فلاں کا باپ جومعلوم الوجود ہے اب نہیں رہا'' یعنی مرگیا۔حالانکہ یہ بات کہنی مقصود نہیں۔ اور فلاں کے دو غلام جو معلوم الوجود تھے اب نہیں رہے یعنی بیچ دیئے یا مرگئے۔ حالانکہ یہ کہنا بھی مقصود نہیں۔ پس حقیقۃً اضافت ماننے کی کوئی صورت نہیں، پس مضاف کے ساتھ تشبیہ دے کر اضافت کے احکام جاری کریں گے ـــــ مگر سیبویہ (خلیل اور عام نحوی) دونوں ترکیبوں میں حقیقی اضافت مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ له کا لام: زائد برائے تاکید ہے، لامِ اضافت نہیں ہے۔ مصنف رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بات صحیح نہیں۔لفساد المعنی کما مَرَّ۔

(۲) فائدہ: محاورہ ہے لا علیك: کوئی بات نہیں! اس میں لا کا اسم محذوف ہے أی لا بأس علیك اور حذف کا قرینہ یہ ہے کہ لا حرف پر داخل ہورہا ہے، حالانکہ حرف پر حرف داخل نہیں ہوتا، معلوم ہوا کہ لا کا اسم محذوف ہے (کثیراً کا مطلب یہ ہے کہ اس محاورے میں عام طور پر اسم کو حذف کرتے ہیں، مگر کبھی ذکر بھی کرتے ہیں)

ترجمہ: (فائدہ) اور لا أبَا له اور لا غلامَیْ له جیسی ترکیبیں جائز ہیں یعنی ہر وہ ترکیب جس میں لائے نفی جنس کے اسم کے بعد لام اضافت لایا گیا ہو اور اس اسم پر اضافت کے احکام جاری کئے گئے ہوں۔ جیسے أباً کی تنوین حذف کرکے الف کو باقی رکھنا اور غلامَیْنِ سے تثنیہ کا نون حذف کرنا جائز ہے اس کو مضاف کے مشابہ قرار دینے کی وجہ سے لا کے اسم کے شریک ہونے کی وجہ سے مضاف کے ساتھ مضاف

کے اصل معنی میں یعنی جس طرح اضافت کی وجہ سے تخصیص کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اس لام سے بھی اختصاص کا فائدہ حاصل ہوا ہے، چنانچہ لا أبَا فی الدار کہنا جائز نہیں۔اور مذکورہ دونوں ترکیبیں درحقیقت مضاف نہیں ہیں معنی خراب ہوجانے کی وجہ سے، برخلاف سیبویہ کے ــــــ (فائدہ) اور لا علیك جیسی ترکیبوں میں بارہا لائے نفی جنس کا اسم حذف کیا جاتا ہے۔اس کی تقدیر عبارت لا بأسَ علیك ہے۔

[-۱۲] خبرُ ما و لا المشَبَّهَتَیْنِ بلیس

هو: المسندُ بعدَ دخولهما؛ وهی لغة حجازیة.

[قاعدة] وإذا زیدت: "إِنْ" مع: "ما" او انتقض النفی بإلَّا، أو تقدَّم الخبرُ: بطل العملُ.

[قاعدة] وإذا عُطِفَ علیه بموجِبٍ، فالرفعُ.

(۱۲) ما و لا مشابہ بہ لیس کی خبر

بارہواں اور آخری منصوب ماولا مشابہ بہ لیس کی خبر ہے۔ یہ بھی نواسخ جملہ سے ہیں۔دونوں جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں اور مبتدا کو اپنا اسم اور خبر کو اپنی خبر بنالیتے ہیں۔اوراسم کورفع اور خبر کونصب دیتے ہیں۔اوران کے داخل ہونے کے بعد جملہ کا جو جز مسندالیہ ہوتا ہے وہ ان کا اسم ہوتا ہے اور جو جز مسند ہوتا ہے وہ ان کی خبر ہوتی ہے۔

اور یہ بات پہلے گذرچکی ہے کہ بنوتمیم اس ماو لا کی خبر کوثابت نہیں کرتے۔صرف اہل حجاز اس کو مانتے ہیں۔اورقرآن چونکہ اہل حجاز کے محاورات میں نازل ہوا ہے اس لئے قرآن نے خبر کوثابت کیا ہے: فرمایا:﴿مَاهٰذَا بَشَرًا﴾اس میں بشراً: ما کی خبر ہےاور منصوب ہے۔

(۱) قاعدہ: تین صورتوں میں ما اور لا کا عمل باطل ہوجاتا ہے:(۱) جب ما کے

بعد إنْ آئے، جیسے ما إنْ زیدٌ قائمٌ (۲) جب إلا کے ذریعہ نفی ٹوٹ جائے یعنی ان کی خبر إلا کے بعد آئے، جیسے وما محمدٌ إلا رسولٌ (۳) جب ان کی خبر اسم سے پہلے آئے، جیسے ما قائمٌ زیدٌ۔

(۲) **قاعدہ:** جب ما و لا کی خبر پر حرف موجِب (بل اور لکن) کے ذریعہ عطف کیا جائے تو معطوف پر رفع واجب ہوگا (نصب جائز نہیں ہوگا) جیسے مازیدٌ مقیماً بل مسافر اور ما زید قائما لکنْ قاعد۔ اور اس اعراب کی وجہ یہ ہے کہ ان کلماتِ موجبہ نے ما اور لا کی نفی کو باطل کردیا ہے، اور وہ بربنائے نفی ہی عامل تھے اس لئے اب وہ نصب نہیں دے سکتے۔ اور بل اور لکن: موجب اس لئے ہیں کہ یہ دونوں اپنے مابعد کے ثبوت پر دلالت کرتے ہیں۔

ترجمہ: اس ما اور لا کی خبر جو دونوں لیس کے مشابہ ہیں: وہی مسند ہوتی ہے دونوں کے داخل ہونے کے بعد اور وہ حجازی لغت ہے ـــــ (قاعدہ) اور جب زیادہ کیا جائے إنْ: ما کے ساتھ یا نفی إلا کے ذریعہ ٹوٹ جائے یا خبر پہلے آئے تو عمل باطل ہوجاتا ہے ـــــ قاعدہ: اور جب خبر پر عطف کیا جائے حرفِ موجِب کے ساتھ تو رفع ہے۔

مشقی سوالات

(۱) حال کی عربی تعریف مع مثال سناؤ اور اس کی وضاحت کرو

(۲) حال کا عامل کون ہوتا ہے؟ مع امثلہ بیان کرو

(۳) حال کیسا ہوتا ہے اور ذوالحال کیسا؟ مع مثال بیان کرو

(۴) أرسلها العراكَ کی وضاحت کرو اور بتاؤ معرفہ حال کیسے واقع ہوا؟

(۵) جب ذوالحال نکرہ ہو تو کیا ضروری ہے؟

(۶) حال عامل معنوی پر کب مقدم ہوسکتا ہے؟ اور کب مقدم نہیں ہوسکتا؟

(۷) اسم جامد حال واقع ہوسکتا ہے؟ مثال دو

(۸) جملہ خبریہ حال واقع ہو تو جملہ حالیہ میں کیا لانا ضروری ہے؟ جملہ اسمیہ میں کیا لانا ضروری ہے؟

(۹) مضارع مثبت میں کیا لایا جائے گا؟ اس کے علاوہ میں کیا لایا جائے گا؟

(۱۰) ماضی مثبت حال واقع ہو تو اس میں کونسا حرف لانا ضروری ہے؟

(۱۱) حال کے عامل کا حذف کب جائز ہے اور کب واجب ہے؟ مع امثلہ بیان کرو اور بتاؤ وجوب حذف کے لئے کیا شرط ہے؟

(۱۲) تمیز کی عربی تعریف بیان کرو اور بتاؤ تمیز کی کتنی قسمیں ہیں؟

(۱۳) تمیز کی پہلی قسم کا عامل کون ہوتا ہے؟ اور اسم تام کس طرح بنتا ہے؟

(۱۴) تمیز کی دوسری قسم میں ممیّز کون ہوتا ہے؟ اور تمیز کونسے ابہام کو رفع کرتی ہے مع امثلہ بیان کرو

(۱۵) تمیز کب ممیّز سے متعلق ہوتی ہے اور کب اس کے کسی متعلق سے متعلق ہوتی ہے؟

(۱۶) کیا تمیز اپنے عامل سے پہلے آسکتی ہے؟ قاعدہ سناؤ اور اس میں جو اختلاف ہے وہ بیان کرو

(۱۷) مستثنیٰ کی کتنی قسمیں ہیں؟ ہر قسم کی تعریف مع مثال بیان کرو

(۱۸) مستثنیٰ کا اعراب مع امثلہ بیان کرو

(۱۹) مستثنیٰ میں کب نصب جائز ہے اور بدل بنانا پسندیدہ ہے؟

(۲۰) مستثنیٰ پر کب حسب عوامل اعراب آتا ہے؟

(۲۱) اگر مستثنیٰ کو لفظ سے بدل نہ بنایا جاسکتا ہو تو کیا کیا جائے گا؟

(۲۲) مستثنیٰ کب مجرور ہوتا ہے؟ مثال دو

(۲۳) استثناء میں غیر کا اعراب کیا ہے؟

(۲۴) غیر کب بمعنی إلا ہوتا ہے اور إلا کب بمعنی غیر ہوتا ہے؟
(۲۵) سوی اور سواء کا کیا اعراب ہے؟
(۲۶) کان کے اسم وخبر کا اعراب کیا ہے؟ مثال دو اور بتاؤ کان کا اسم کون ہوتا ہے اور خبر کون ہوتی ہے؟
(۲۷) جوازاً حذف کان کی مثال دو اور اس مثال میں کتنی صورتیں جائز ہیں؟
(۲۸) خبر کان کے عامل کا حذف کب واجب ہے؟ مثال دو
(۲۹) حروف مشبہ بالفعل کیا ہیں؟ اور ان کا اعراب کیا ہے؟
(۳۰) لائے نفی جنس کا اسم کون ہوتا ہے اور اس کے لئے کیا شرطیں ہیں؟
(۳۱) لائے نفی جنس کے اسم کا کیا اعراب ہے؟
(۳۲) قضيةٌ ولا أبا حسنٍ لها کی تاویل کیا ہے؟ اور تاویل کیوں ضروری ہے؟
(۳۳) لاحول ولا قوة سے کونسی ترکیب مراد ہے؟ اور اس میں کتنی وجوہ جائز ہیں؟
(۳۴) جب لائے نفی جنس پر ہمزہ داخل ہو تو کیا حکم ہے؟
(۳۵) لائے نفی جنس کے اسم مبنی بر فتح کی پہلی صفت کے کیا اعراب ہیں؟
(۳۶) لائے نفی جنس کے اسم مبنی پر عطف کیا جائے تو معطوف میں کتنی وجوہ جائز ہیں؟
(۳۷) لا أباله اور لا غلامَيْ له کا حکم بیان کرو اور لا أبا فيها کیوں ناجائز ہے؟
(۳۸) لا عليك میں کیا محذوف ہے؟
(۳۹) ما ولا مشابہ بلیس کی خبر کا کیا اعراب ہے؟ مثال دو اور بتاؤ ان دونوں حرفوں کا عمل کب باطل ہو جاتا ہے؟
(۴۰) جب ما اور لا کی خبر پر حرف موجب کے ذریعہ عطف کیا جائے تو معطوف کا اعراب کیا ہوگا؟ اور حرفِ موجِب کیا ہیں؟

المجرورات

هو: ماا شْتَمَلَ على عَلَم المضاف إليه.

والمضاف إليه:

كلُّ اسْمٍ نُسِبَ إليه شيئٌ بواسِطَةِ حرف الجر: لفظاً أو تقديراً: مراداً.

فالتقدير: شرطُه: أن يكون المضافُ اسْمًا مُجَرَّدًا عنه تنوينُه لأجْلِها.

وهي: معنوية ولفظية:(۱)

فالمعنوية: أن يكون المضافُ غيرَ صفةٍ مضافةٍ إلى معمولها.

مجرورات کا بیان

مجرور: وہ اسم ہے جو مضاف الیہ کی علامت (زیر) پر مشتمل ہو، خواہ زیر لفظی ہو یا تقدیری اور خواہ بصورت حرکت ہو یا بصورتِ حرف۔

مضاف الیہ کا بیان

مُضَافٌ: أَضَافَ إليه (مائل ہونا) سے اسم مفعول ہے۔ پس مضاف: وہ اسم ہے جو دوسرے کی طرف مائل ہو یعنی منسوب کیا گیا ہو، اور مضاف الیہ: وہ اسم ہے جس کی طرف دوسرا اسم حرفِ جر کے واسطہ سے منسوب کیا گیا ہو، خواہ حرف جر لفظوں میں ہو جیسے مررتُ بزید یا مقدر ہو، مگر مراد ہو یعنی اس کا اثر لفظوں میں باقی ہو، جیسے غلامُ زید أی غلامٌ لزید۔ اور حرفِ جر کی تقدیر کے لئے شرط یہ ہے کہ مضاف ایسا

اسم ہو جس سے اس کی تنوین (یا قائم مقام تنوین: نونِ تثنیہ وجمع) اضافت کی وجہ سے ہٹادی گئی ہو۔

نوٹ: مضاف کا اعراب عامل کے تابع رہتا ہے اور مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے۔

(۱) اضافت کی دو قسمیں ہیں: اضافتِ معنوی اور اضافت لفظی: اضافتِ معنوی: وہ اضافت ہے جس میں مضاف ایسا صفت کا صیغہ نہ ہو جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہو۔ اور صفت سے مراد اسم فاعل، اسم مفعول اور صفتِ مشبہ ہیں اور معمول سے مراد فاعل اور مفعول بہ ہیں۔ پس اضافت معنوی کی تین صورتیں ہونگی:
(۱) مضاف نہ صیغۂ صفت ہو نہ اپنے معمول کی طرف مضاف ہو، جیسے غلامُ زید
(۲) مضاف صیغۂ صفت تو ہو مگر اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو، بلکہ غیر معمول کی طرف مضاف ہو، جیسے کریم البلد شہر کا سخی (البلد: معمول نہیں کیونکہ ظرف ہے)
(۳) مضاف صیغۂ صفت نہ ہو اور اپنے معمول کی طرف مضاف ہو جیسے ضربُ الیوم (ضرب صیغۂ صفت نہیں، کیونکہ مصدر ہے)

نوٹ: اضافت معنوی ہی اصلی اور حقیقی اضافت ہے۔

ترجمہ: مجرورات کا بیان: مجرور: وہ اسم ہے جو مضاف الیہ کی علامت (نشانی) پر مشتمل ہو۔ اور مضاف الیہ: ہر وہ اسم ہے جس کی طرف کوئی چیز منسوب کی گئی ہو حرف جر کے واسطے سے، خواہ حرف جر لفظوں میں ہو یا مقدر ہو درانحالیکہ وہ مراد ہو۔ پس حرف جر کی تقدیر کے لئے شرط یہ ہے کہ مضاف ایسا اسم ہو جس سے اس کی تنوین ہٹائی گئی ہو اضافت کی وجہ سے ـــــ اور اضافت: معنوی اور لفظی ہے۔ پس معنوی: یہ ہے کہ مضاف ایسا صفت کا صیغہ نہ ہو جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہو۔

وهي: إما بمعنى اللام، فيما عَدَا جنسَ المضافِ وظرفَه؛ وإما بمعنى مِن في جنس المضاف؛ أو بمعنى في في ظرفه ـــــ وهو قليل ـــــ مثلُ: غلام زيد، وخاتمُ فضةٍ، وضَرْبُ اليوم.[1]

وتفيدُ تعريفاً مع المعرفة، وتخصيصاً مع النكرة.(٢)

وشرطها: تجريدُ المضاف من التعريف؛ وما أجازه الكوفيون من: "الثلاثةِ الأثواب" وشِبْهِهِ من العدد: ضعيفٌ.(٣)

واللفظية:(٤)

أن يكون صفةً مضافةً إلى معمولها، مثلُ: ضاربُ زيدٍ، وحَسَنُ الوجهِ.

ولاتفيدُ إلا تخفيفاً فى اللفظ.(٥)

ومن ثَمَّ:

[١-] جاز: مررتُ برجلٍ حَسَنِ الوجه؛ وامتنع: بزيدٍ حَسَنِ الوجه.

[٢-] وجاز: الضَّارِبَا زيدٍ، والضَّارِبُوْ زيدٍ، وامتنع: الضاربُ زيدٍ، خلافاً للفَرَّاءِ؛ وضَعُفَ:" الواهبُ المائةِ الهِجَانِ وعبدِها"

وإنما جاز:" الضاربُ الرجلِ" حملاً على المختار فى:" الحَسَنِ الوجهِ"؛ والضَّارِبُك، وشِبْهُهُ ـــ فيمن قال: إنه مضاف ـــ حملاً على:" ضَارِبُكَ"

(١) اضافتِ معنوی بتقدیر حرفِ جر ہوتی ہے، اور تین حرف جر (لام، مِن اور فی) مقدر ہوتے ہیں۔ اور ان کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر مضاف الیہ نہ تو مضاف کی جنس سے ہو نہ مضاف کا ظرف ہو تو اضافت بمعنی لام ہوگی جیسے غلامُ زید أی لزید اور اگر مضاف الیہ مضاف کی جنس سے ہو تو اضافت بمعنی مِنْ ہوگی جیسے خاتمُ فضةٍ أی من فضة اور اگر مضاف الیہ مضاف کا ظرف ہو تو اضافت بمعنی فی ہوگی، جیسے ضربُ الیوم أی فی الیوم، اور اضافت بمعنی فی کا استعمال کم ہے۔

(٢) اگر کسی اسم کی معرفہ کی طرف اضافت کی جائے تو تعریف کا، اور نکرہ کی طرف اضافت کی جائے تو تخصیص کا یعنی قلتِ اشتراک کا فائدہ دے گی (مگر مثل

اورغیر اس سے مستثنیٰ ہیں۔وہ ابہام میں رسوخ کی وجہ سے معرفہ نہیں ہوتے)

(۳) اضافتِ معنوی کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کو حرفِ تعریف سے خالی کرلیا جائے یعنی اس پر سے الف لام ہٹا دیا جائے۔ اور کوفی جو الثلاثة الأثواب: تین کپڑے اور الخمسة الدراهم: پانچ درہم کو جائز کہتے ہیں وہ ضعیف مذہب ہے(شِبْهِه من العدد: یعنی دیگر اعداد جن کو معدود کی طرف مضاف کیا جائے، جیسے الثمانية الأَكْوَابِ: آٹھ پیالے وغیرہ)

(۴) اضافت کی دوسری قسم: لفظی اضافت ہے، اور وہ یہ ہے کہ صیغۂ صفت اپنے معمول (فاعل یا مفعول بہ) کی طرف مضاف ہو، جیسے ضاربُ زيدٍ: زید کو مارنے والا اور حَسَنُ الوجهِ: خوبصورت۔ پہلی مثال میں اسم فاعل مفعول بہ کی طرف اور دوسری مثال میں صفتِ مشبہ فاعل کی طرف مضاف ہے۔

(۵) اضافتِ لفظی سے صرف تخفیف کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، تعریف و تخصیص کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ چنانچہ:

۱-مررتُ برجلٍ حَسَنِ الوجه کہنا صحیح ہے۔حسن الوجه میں اضافت کی وجہ سے تنوین اور مضاف الیہ سے ضمیر حذف ہوئی ہے۔ اصل حَسَنٌ وجهُه تھا، اور اضافت کے بعد بھی نکرہ ہے اس لئے نکرہ کی صفت واقع ہوا ہے۔اور مررتُ بزيدٍ حَسَنِ الوجه جائز نہیں۔ کیونکہ نکرہ: معرفہ کی صفت نہیں بن سکتا۔

۲-اسی طرح الضاربَا زيدٍ: زید کو دو مارنے والے، اور الضاربو زيد: زید کو بہت مارنے والے: صحیح ہیں، کیونکہ اول میں اضافت کی وجہ سے نون تثنیہ اور ثانی میں نون جمع حذف ہوئے ہیں، یہ تخفیف ہوئی۔ یہ دونوں نون اضافت کی وجہ سے حذف ہوئے ہیں، الف لام تعریف کی وجہ سے حذف نہیں ہوئے، چنانچہ فكّ اضافت کی صورت میں نون لوٹ آتے ہیں —— اور الضاربُ زيد: درست نہیں، کیونکہ اس میں جو تنوین حذف ہوئی ہے وہ الف لام کی وجہ سے حذف ہوئی

ہے، اضافت کی وجہ سے حذف نہیں ہوئی، پس اضافت کی وجہ سے کوئی تخفیف نہیں ہوئی اس لئے یہ ترکیب جائز نہیں ـــــ اور فراء نحوی کے نزدیک یہ ترکیب صحیح ہے، وہ کہتے ہیں کہ الضارب پر الف لام اضافت کے بعد داخل ہوا ہے اور تنوین اضافت کی وجہ سے حذف ہوئی ہے۔ اور وہ دلیل میں یہ شعر پیش کرتے ہیں:

الواهبُ المائةِ الهِجَانِ وعَبْدِها ۞ عُوْذًا يُزَجِّيْ خلفَها أطْفَالَها

ترجمہ: ممدوح سو سفید اونٹنیوں کو مع ان کے غلام (چرواہے) کے بخشنے والا ہے ÷ درانحالیکہ وہ تازہ بیاہی ہوئی ہیں، ہانکتا ہے چرواہا ان کے پیچھے ان کے بچوں کو (الهِجَان: سفید اونٹنیاں، عُوذًا: نئی بیاہی ہوئی۔ زَجّٰی يُزَجِّيْ: ہانکنا) فراء کہتے ہیں: وعبدِها: مجرور ہے اور اس کا عطف المائۃ پر ہے، پس تقدیر عبارت ہوئی الواهبُ عبدِها یہ بعینہٖ الضاربُ زید جیسی ترکیب ہے پس معلوم ہوا کہ یہ ترکیب درست ہے۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ استدلال ضعیف ہے یا خود یہ شعر ضعیف ہے پس ضعیف سے استدلال بھی ضعیف ہے۔ اور استدلال ضعیف اس لئے ہے کہ اس میں اور بھی ترکیبی احتمال ہیں، مثلاً: وعبدَها: منصوب پڑھا جائے اور واو بمعنی مع ہو اور عبدَها مفعول معہ ہو، اور جب دوسرا احتمال پیدا ہو گیا تو استدلال باطل ہو گیا۔

اور فراء کی دوسری دلیل: یہ ہے کہ الضاربُ الرجلِ اور الضاربُكَ اور ان کے مانند ترکیبیں (جیسے الضارِبِيْ اور الضارِبُه) جائز ہیں، جبکہ یہ بھی الضاربُ زید کی طرح ہیں ان میں بھی معرف باللام معرفہ کی طرف مضاف ہے۔

مصنف رحمہ اللہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ ترکیبیں بھی قاعدے سے جائز نہیں، کیونکہ اضافت کی وجہ سے کوئی تخفیف نہیں ہوئی۔ مگر بتاویل ان کو جائز رکھا گیا ہے: (۱) الضاربُ الرجلِ کو الحسنُ الوجهِ پر محمول کیا گیا ہے کیونکہ دونوں میں صیغۂ صفت مضاف اور اسم جنس معرف باللام مضاف الیہ ہے اور الضاربُ زید کی یہ صورت نہیں (۲) اور الضاربُكَ میں جمہور نحوی اضافت کے قائل نہیں، وہ الف لام

کو بمعنی الذی کہتے ہیں اور کاف کو بر بنائے مفعولیت منصوب مانتے ہیں، پس ان کے قول کے مطابق تو اس سے استدلال صحیح نہیں، اور جو لوگ اس میں اضافت مانتے ہیں وہ الضاربك کو ضاربُك پر محمول کرتے ہیں۔ ضاربُك میں سقوط تنوین اتصالِ ضمیر کی وجہ سے ہے اضافت کی وجہ سے نہیں ہے۔

وضاحت: نحوی جب الف لام سے مجرد اسم فاعل یا اسم مفعول کا تعلق ان کے مفعولوں کے ساتھ کرتے ہیں اور وہ مفعول ضمائر متصلہ ہوتی ہیں تو اضافت کا التزام کرتے ہیں۔ اور اس کو نہیں دیکھتے کہ تخفیف ہوئی یا نہیں؟ چنانچہ انھوں نے ضاربُك کو درست قرار دیا اگرچہ اضافت کی وجہ سے کوئی تخفیف نہیں ہوئی، جو کچھ تخفیف ہوئی ہے وہ ضمیر کے ملنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔

پھر جب انھوں نے ضاربُك کو درست قرار دیدیا تو اس پر الضاربُك کو محمول کیا اور اس کو بھی درست قرار دیا۔ اس لئے کہ دونوں ایک قبیل سے ہیں۔ دونوں اسم فاعل ہیں اور ضمیر متصل کی طرف مضاف ہیں۔

ترجمہ: اور اضافت: یا تو بمعنی لام ہوگی جنسِ مضاف اور ظرفِ مضاف کے علاوہ میں۔ اور یا بمعنی مِنْ ہوگی جنسِ مضاف میں۔ یا بمعنی فی ہوگی ظرفِ مضاف میں ـــــ اور یہ استعمال قلیل ہے ـــــ اور اضافت تعریف کا فائدہ دیتی ہے معرفہ کے ساتھ، اور تخصیص کا فائدہ دیتی ہے نکرہ کے ساتھ ـــــ اور اضافت معنوی کے لئے شرط: مضاف کو خالی کرنا ہے تعریف (الف لام) سے اور وہ ترکیب جس کو جائز رکھا ہے کوفیوں نے یعنی الثلاثة الأثواب اور اس جیسے عدد سے: ضعیف ہے ـــــ اور اضافت لفظی: یہ ہے کہ مضاف ایسا صفت کا صیغہ ہو جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہو............ اور اضافتِ لفظی صرف تلفظ میں ہلکا پن کا فائدہ دیتی ہے، اور اسی جگہ سے (ا) جائز ہے: مررتُ برجلٍ حَسَنِ الوجه (کیونکہ اضافت کی وجہ سے تخفیف ہوئی ہے) اور ناجائز ہے: مررت بزيد حَسَنِ الوجه (کیونکہ حسن الوجہ میں

اضافت لفظی ہے جو بحکم نکرہ ہے پس وہ معرفہ کی صفت نہیں بن سکتا) (۲) اور جائز ہے: الضاربَا زيدٍ اور الضاربو زيد (کیونکہ دونوں میں اضافت کی وجہ سے تخفیف ہوئی ہے) اور ناجائز ہے: الضاربُ زيد (کیونکہ اس میں اضافت کی وجہ سے کوئی تخفیف نہیں ہوئی) برخلاف فراء کے (وہ الضارب زيد کو جائز کہتے ہیں اور الواهب المائة إلخ سے استدلال کرتے ہیں) یہ استدلال یا یہ ترکیب ضعیف ہے (یہ فراء کی دلیل کا جواب ہے) اور الضاربُ الرجل جائز ہوا ہے صرف الحسن الوجه میں مختار صورت پر محمول کرنے کی وجہ سے اور جائز ہوئے ہیں الضاربُك اور اس کے مشابہ ـــــ اس کی رائے میں جو کہتا ہے کہ الضاربُ مضاف ہے ـــــ ضاربُك پر محمول کرنے کی وجہ سے۔

[قاعدة] ولا يُضاف موصوف إلى صفةٍ، ولا صفةٌ إلى موصوفها.[1] ومثلُ: مسجدُ الجامع، وجانب الغَرْبِيِّ، وصلاة الأولى، وبَقْلَةِ الْحَمْقَاءِ: متأوَّل. ومثلُ: جَرْدُ قَطِيْفَةٍ، وأَخْلَاقُ ثياب: متأوّل.

[قاعدة] ولا يُضَافُ اسمٌ مُمَاثِلٌ للمضافِ إليه فى العموم والخصوص، كَلَيْثٍ وأَسَدٍ، وحَبْسٍ ومَنْعٍ، لعدم الفائدة؛ بخلاف: "كلُّ الدراهم" و:"عينُ الشيئ" فإنه يَخْتَصُّ به؛ وقولهم:" سعيدُ كُرْزٍ" متأوَّلٌ.[2]

(۱) قاعدہ: موصوف کی صفت کی طرف اضافتِ معنوی نہیں ہوسکتی، کیونکہ صفت درحقیقت عینِ موصوف ہوتی ہے اور مضاف مضاف الیہ میں مغایرت ضروری ہے ـــــ اسی طرح صفت کی اضافت بھی موصوف کی طرف نہیں ہوسکتی، اور اس کی بھی وجہ وہی ہے کہ عینیت غیریت سے بدل جائے گی۔ اور جہاں اس قسم کی اضافتیں محاورات میں پائی جاتی ہیں ان کی تاویل کی گئی ہے: (۱) مسجد الجامع میں

موصوف کی صفت کی طرف اضافت ہے اس کی تاویل مسجد الوقت الجامع ہے، (۲)جانب الغربی (سورۃ القصص آیت ۴۴) أی جانب المکان الغربی، (۳) صلاۃ الأولی أی صلاۃ الساعۃ الأولی (۴)بَقْلَۃُ الحَمْقَاء (خُرفہ کا ساگ) أی بقْلَۃُ الْحَبَّۃِ الحمقاء۔

اور جَرْدُ قَطِیْفَۃٍ (پرانی چادر) اور أخْلَاقُ ثیاب (پرانے کپڑے) میں صفت کی موصوف کی طرف اضافت ہے، مگر یہ ترکیب مقلوبی ہے اصل ترکیب توصیفی ہے۔ قطیفۃٌ جَرْدٌ اور ثیابٌ أَخْلَاقٌ ہیں، پھر صفت کو مقدم کر کے اضافت کی گئی ہے جس سے ترکیب ہلکی ہوگئی ہے مگر معنی وہی مرکب توصیفی کے باقی ہیں۔

(۲) قاعدہ: ایسے دو اسم جو عموم وخصوص میں مساوی ہوں ان میں سے ایک کی دوسرے کی طرف اضافت نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ اضافت بے فائدہ ہوگی (نہ تعریف کا فائدہ دے گی نہ تخصیص کا) جیسے لیث اور أسد (اعیان کی مثال) اور منْعٌ اور حَبْسٌ (معانی کی مثال) البتہ کلُ الدراھم اور عینُ الشیئ صحیح ہیں، کیونکہ اضافت سے پہلے کل: دراہم ودنانیر کو عام تھا اور عین: موجود ومعدوم کو عام تھا۔ اضافت کے بعد ان میں تخصیص ہوگئی —— اور جہاں کسی شخص کے نام کی اس کے لقب کی طرف اضافت کی گئی ہو جیسے جاء سعیدُ کُرْزٍ: وہ سعید آیا جس کا لقب کرز ہے: اس کی یہ تاویل ہے کہ جاء سعید ملقَّبٌ بکُرْزٍ، پس مضاف سے مراد ذات ہے اور مضاف الیہ سے مراد نفس لفظ ہے اس لئے مغائرت ہوگئی۔

ترجمہ: قاعدہ: اور کوئی موصوف کسی صفت کی طرف مضاف نہیں کیا جاتا اور نہ کوئی صفت اس کے موصوف کی طرف مضاف کی جاتی ہے.......... قاعدہ: اور نہیں مضاف کیا جاتا ایسا اسم جو مضاف الیہ کے مماثل (مانند) ہو عام ہونے میں اور خاص ہونے میں، جیسے لیث اور أسد اور حبس اور منع: (اضافت) بے فائدہ ہونے کی وجہ سے۔ برخلاف کلُّ الدراھم اور عینُ الشیئ کے، پس کل اور عین میں سے ہر

ایک الدراھم اور الشیئ کی وجہ سے خاص ہوجاتے ہیں اور عربوں کا قول سعید کرز تاویل کیا ہوا ہے۔

[قاعدة] وإذا أُضِيْفَ:

[الف] الاسمُ الصحيحُ، أو الملحقُ به: إلى ياء المتكلم: كُسِرَ آخِرُه، والياءُ مفتوحةٌ، أو ساكنةٌ.

[ب] فإن كان آخِرُهُ أَلِفًا: تُثْبَتُ؛ وهُذَيْلٌ: تَقْلِبُهَا ـــ لغير التثنية ـــ ياءً.

[ج] وإن كان ياءً أُدْغِمَتْ.

[د] وإن كان واواً: قُلِبَتْ يَاءً، وأُدْغِمَتْ.

وفُتِحَتِ الياءُ للساكِنَيْنِ.

قاعدہ: (الف) جب اسم صحیح یا جاری مجری صحیح (ملحق بالصحیح) کی یائے متکلم کی طرف اضافت کی جائے تو اسم کے آخر کو یاء کی مناسبت سے کسرہ دیں گے اور یائے متکلم کو مفتوح یا ساکن پڑھیں گے۔ جیسے کتابِیَ، ظَبْیِیَ، دَلْوِیَ (صحیح: نحویوں کی اصطلاح میں وہ اسم ہے جس کے آخر میں حرف علت نہ ہو۔ اور ملحق بالصحیح (جاری مجری صحیح) وہ اسم ہے جس کے آخر میں واو یا یاء ہو اور اس سے پہلے جزم ہو، جیسے دلو اور ظبی)

(ب) اور اگر اسم کے آخر میں الف ہو تو اس کو ثابت رکھا جائے گا، خواہ وہ تثنیہ کا الف ہو یا غیر تثنیہ کا، جیسے غلامَایَ، عصَایَ اور رَحَایَ ـــ اور قبیلۂ ہذیل غیر تثنیہ کے الف کو یاء سے بدل کر یائے متکلم میں ادغام کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے: عَصَيَّ، رَحَيَّ۔

(ج) اور اگر اسم کے آخر میں یاء ہو تو اس کا یائے متکلم میں ادغام کیا جائے گا، خواہ

یاءِ تثنیہ کی ہو یا جمع کی، جیسے مسلِمَیْنِ سے مسلِمَیَّ اور مسلِمِیْن سے مسلِمِیَّ اور یائے متکلم کو اجتماع ساکنین سے بچنے کے لئے فتحہ دیں گے۔

(د) اور اگر اسم کے آخر میں واو ہو تو اس کو یاء سے بدلیں گے اور یاء میں ادغام کریں گے: جیسے مسلمون سے مسلِمِیَّ۔ اس لئے کہ جب ی کی طرف اضافت کی گئی تو نون گر گیا، پھر واو کو یاء سے بدلا اور ادغام کیا اور لام کو یاء کی مناسبت سے کسرہ دیا، اور یائے متکلم کو اجتماع ساکنین سے بچنے کے لئے فتحہ دیا۔

ترجمہ: قاعدہ: اور جب مضاف کیا جائے: (الف) اسم صحیح یا صحیح کے ساتھ ملحق (ملایا ہوا) یائے متکلم کی طرف تو اس کے آخر میں کسرہ دیا جائے گا اور یاء مفتوح ہوگی یا ساکن ــــــ (ب) پس اگر اس کے آخر میں الف ہو تو وہ ثابت رکھا جائے گا اور ہذیل ــــــ تثنیہ کے الف کے علاوہ کو ــــــ یاء سے بدلتے ہیں ــــــ (ج) اور اگر یاء ہو تو اس کا ادغام کیا جائے گا ــــــ (د) اور اگر واو ہو تو وہ یاء سے بدل دی جائے گی اور وہ ادغام کی جائے گی اور یاء کو فتحہ دیا جائے گا دو ساکنوں کی وجہ سے۔

[قاعدة] وأما الاسماءُ السِّتَّةُ:

[١-] فأَخِيْ، وأَبِيْ؛ وأَجَازَ المبردُ: أَخِيَّ، وأَبِيَّ.(١)

[٢-] وتقول: حَمِيْ، وهَنِيْ.(٢)

[٣-] ويقال: فِيَّ ــ في الأكثر ــ وفَمِيْ.(٣)

[قاعدة] وإذا قُطعتْ: قيل: أَخٌ، وأبٌ، وحَمٌ، وهَنٌ، وفَمٌ: وفتح الفاء أفصحُ منهما.(٤)

[فائدة] وجاء "حَمٌ" مثلَ يدٍ، وخَبْءٍ، ودَلْوٍ، وعَصًا: مطلقًا.(٥)

[فائدة] وجاء "هَنٌ" مثلَ يدٍ: مطلقاً.(٦)

[قاعدة] و"ذُو": لايُضاف إلى مُضْمَرٍ؛ ولا يُقْطَعُ.(٧)

(۱):اسمائے ستّہ کا حکم :(۱)أبٌ کی اصل أَبَوٌ ہے اور أخ کی أخوٌ ، آخر کا واو نسیاً منسیا کردیا گیا ہے، پس جب ان کی یائے متکلم کی طرف اضافت کریں گے تو أبِیْ اور أخِی کہیں گے، واو محذوف کو نہیں لوٹائیں گے۔ اور مبرد نحوی کہتے ہیں کہ اگر واو محذوف کو لوٹا کر یاء سے بدل کر ادغام کریں تو یہ بھی جائز ہے، کہیں گے:أبِیَّ اور أخِیَّ ۔

(۲)حَمٌ کی اصل حَمَوٌ اور ھَنٌ کی اصل ھَنَوٌ ہے۔ واو نسیاً منسیاً کردیا گیا ہے۔ ان کی بھی جب یائے متکلم کی طرف اضافت کریں گے تو واو محذوف کو نہیں لوٹائیں گے، عورت کہے گی حَمِیْ (میرا دیور) ھَنِیْ (میری شرمگاہ) اس میں مبرد کا اختلاف نہیں ہے۔

(۳) فَمٌ کی اصل فُوْہٌ ہے، ہ نسیاً منسیا کردی گئی ہے اور واو کو میم سے بدل دیا ہے۔ جب اس کی یائے متکلم کی طرف اضافت کریں گے تو ہ محذوف کو نہ لوٹائیں گے اور میم کو یاء سے بدل کر ادغام کریں گے۔ اور فاء کو یاء کی مناسبت سے کسرہ دیں گے۔ کہیں گے:فِیَّ (میرا منہ) یہی بکثرت استعمال ہے اور اگر میم کو باقی رکھ کر اضافت کریں تو یہ بھی درست ہے کہیں گے:فَمِیْ (میرا منہ)

(۴) قاعدہ: جب مذکورہ اسمائے خمسہ کی اضافت ختم کردیں تو ان پر مطلقاً اعراب بحرکات جاری ہوگا۔ اور فم کی فاء میں ضمہ، کسرہ اور فتحہ تینوں جائز ہیں، مگر فتحہ زیادہ فصیح ہے۔

(۵) فائدہ: حَمٌ کو چار طرح پڑھ سکتے ہیں:(۱) یَدٌ کی طرح حَمٌ (۲) خَبْءٌ کی طرح حَمْءٌ (۳) دلو کی طرح حَمْوٌ (۴) عصا کی طرح حَمَا کہیں گے: ھذا حَمٌ/ حَمْءٌ/حَمْوٌ/ حمًا، رأیت حَمًا/ حَمْأً/ حَمْوًا/ حمًا، مررت بِحَمٍ/ بَحَمْءٍ/ بحَمْوٍ/ بحمًا ــــــ اور حَمٌ میں یہ چار طریقے مطلقا جائز ہیں۔ یائے متکلم کی طرف مضاف ہو یا کسی اور اسم کی طرف، یا اضافت نہ ہو۔

(٦) ھَنٌ بھی مطلقاً ید کی طرح آیا ہے، خواہ یائے متکلم کی طرف مضاف ہو یا کسی اور اسم کی طرف یا اضافت نہ ہو۔

(۷) اسمائے ستہ میں سے ذُو ہے۔ ذُو لازم الاضافت ہے، مگر اس کی اضافت صرف اسم جنس کی طرف ہوتی ہے، جیسے ذوالمال۔ ضمیر کی طرف اس کی اضافت نہیں ہوتی (ولا یقطع: یعنی اضافت سے کاٹا نہیں جاتا)

ترجمہ: (قاعدہ) اور رہے اسمائے ستّہ: (۱) پس أخی اور أبی ہے۔ اور جائز رکھا مبرد نے أخِيَّ اور أبيَّ —— (۲) اور کہے گی عورت: حَمِيْ اور هَنِيْ —— (۳) اور کہا جاتا ہے: فِيَّ —— اکثر استعمال میں —— اور فَمِيْ —— (قاعدہ) اور جب اسمائے ستّہ اضافت سے کاٹے جائیں تو کہا جائے گا: أخٌ، أبٌ، حَمٌ، هَنٌ اور فمٌ اور فاء کا فتحہ زیادہ فصیح ہے دونوں (ضمہ اور کسرہ) سے —— (فائدہ) اور آیا ہے حَمٌ: يَدٌ، خَبْءٌ، دَلْوٌ اور عَصَا کی طرح ہر حال میں —— (فائدہ) اور آیا ہے هَنٌ: يَدٌ کی طرح ہر حال میں —— (قاعدہ) اور ذو: مضاف نہیں کیا جاتا ضمیر کی طرف اور اضافت سے کاٹا بھی نہیں جاتا۔

التوابع:

كلُّ ثانٍ بإعرابِ سابقه من جهةٍ واحدة.

[۱-] النَّعْتُ(۱)

تابِعٌ يدلُّ على معنىً في متبوعه مطلقًا.

وفائدته: تخصيصٌ، أو توضيحٌ، وقد يكون لمُجَرَّدِ الثناء، أو الذَّمِّ، أو التوكيد، نحو: ﴿ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴾(۲)

[فائدة] ولا فَصل بين أن يكون مُشْتَقًّا أو غيرَه: إذا كان وضعُه لغرضِ المعنى: عموماً، مثلُ تَمِيْمِيٍّ؛ وذی مالٍ؛ أو خصوصاً، مثلُ: مررتُ برجلٍ أيِّ رجلٍ، وبهذا الرجل، وبزيد هذا.(۳)

[قاعدة] وتُوْصَفُ النَّكِرَةُ بالجملة الخبرية، ويَلْزَم الضميرُ.(٤)

توابع کا بیان

تابع: ہر وہ دوسرا اسم ہے جس پر وہی اعراب آئے جو پہلے اسم پر آیا ہے اور اعراب کی جہت بھی ایک ہو۔ پہلے اسم کو متبوع کہتے ہیں۔ توابع پانچ ہیں: صفت، تاکید، بدل، معطوف بحرف اور عطف بیان۔

(۱) نعت: وہ تابع ہے جو موصوف کی (یا اس سے تعلق رکھنے والی کسی چیز کی) اچھی یا بری حالت بیان کرے۔ اول کو صفت بحالِ موصوف کہتے ہیں، جیسے جاء نی رجل عالم اور ثانی کو صفت بحالِ متعلقِ موصوف کہتے ہیں، جیسے جاء نی رجل عالم أبوہ (مزید تفصیل آگے آرہی ہے) اور مطلقاً کا مطلب یہ ہے کہ ہر حال میں دلالت کرے، صرف بعض اوقات میں یا بعض مواد میں دلالت نہ کرے۔

(۲) نعت (صفت) چار مقاصد کے لئے لائی جاتی ہے: (۱) اگر نکرہ کی صفت لائی جائے تو تخصیص کا فائدہ دیتی ہے، جیسے جاء نی رجل عالم (۲) اور اگر معرفہ کی صفت لائی جائے تو توضیح کا فائدہ دیتی ہے، جیسے جاء نی زید الظریفُ (۳) اور کبھی نعت محض تعریف یا برائی کے لئے لائی جاتی ہے، جیسے بسم اللہ الرحمن الرحیم اور أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم (۴) اور کبھی نعت محض تاکید کے لئے لائی جاتی ہے، جیسے نفخة واحدة (سورۃ الحاقّہ آیت ۱۳) نفخة میں تائے وحدت ایک مرتبہ پر دلالت کرتی ہے، واحدة نے اس کی تاکید کی ہے۔

(۳) بعض لوگ کہتے ہیں: نعت کے لئے مشتق ہونا ضروری ہے، اگر مشتق نہ ہوگی تو اس کو بتاویل مشتق کیا جائے گا۔ مصنف رحمہ اللہ ان پر رد کرتے ہیں کہ نعت خواہ مشتق ہو یا غیر مشتق اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، بشرطیکہ اس کی وضع اس معنی پر دلالت کرنے کے لئے ہو جو متبوع میں پائے جاتے ہیں یا تو بطریقِ عموم دلالت ہو یعنی جمیع استعمالات میں دلالت کرے جیسے تمیمیؒ کہ اس کی دلالت ہمیشہ اس ذات

پر ہوتی ہے جو قبیلۂ بنوتمیم کا ہے اور ذو مال کی دلالت ہمیشہ اس شخص پر ہوتی ہے جو مالدار ہے ـــــ یا بطریقِ خصوص دلالت کرے یعنی بعض جگہ اس معنی پر دلالت کرے جو متبوع میں پائے جاتے ہیں، جیسے مررتُ برجل أيِّ رجلٍ: اس میں أيِّ رجل کمالِ رجولیت پر دلالت کرتا ہے، پس اس کا صفت واقع ہونا درست ہے۔ اسی طرح مررتُ بھذا الرجل میں ھذاذاتِ مبہم پر دلالت کرتا ہے اور الرجل ذاتِ معین پر، اور خصوصیتِ ذاتِ معین: متبوع (ذاتِ مبہم) میں پائی جاتی ہے اس لئے اس کا صفت بننا صحیح ہے۔ اسی طرح مررت بزید ھذا میں ھذا کے معنی زید میں پائے جاتے ہیں اس لئے اس کا صفت واقع ہونا صحیح ہے۔ البتہ مررتُ بھذا زیدٍ کہنا صحیح نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں موصوف کا صفت سے کم تر ہونا لازم آئے گا۔

(۴) قاعدہ: نکرہ کی صفت جملہ خبریہ لائی جاتی ہے (جملہ انشائیہ نہیں لائی جاتی) اور اس وقت موصوف کے ساتھ ارتباط کے لئے جملہ میں ضمیر ہونی ضروری ہے، جیسے جاء نی رجل أبوہ قائم۔

ترجمہ: توابع کا بیان: تابع: ہر دوسرا اسم ہے اپنے سابق کے اعراب کے ساتھ ایک جہت سے ـــــ (۱) نعت کا بیان: نعت: وہ تابع ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کے متبوع میں ہیں ہر حال میں ـــــ اور نعت کا فائدہ: تخصیص یا توضیح ہے اور کبھی محض تعریف یا برائی کے لئے یا تاکید کے لئے ہوتی ہے ـــــ (فائدہ) اور کوئی فرق نہیں اس درمیان کہ ہو نعت مشتق یا غیر مشتق، جب ہو اس کی بناوٹ صفتی معنی کی غرض سے بالعموم جیسے تمیمی یا ذو المال یا بالخصوص جیسے .... (قاعدہ) اور نکرہ صفت لایا جاتا ہے جملہ خبریہ کے ساتھ اور ضمیر لازم ہوتی ہے۔

[قاعدة] ويوصف بحال الموصوف، وبحال متعلِّقِه، نحوُ: مررتُ برجلٍ حَسَنٍ غلامُه.

فالأول: يَتْبَعُه في الإعراب، والتعريف والتنكير، والإفراد

والتثنية والجمع، والتذكير والتأنيث.
والثاني: يَتْبَعُه في الخمسةِ الأُوَلِ، وفي البواقي كالفعل.
ومن ثَمَّ: حَسُنَ: "قام رجلٌ قاعدٌ غلمانُه" وضَعُفَ: " قاعدون غلمانُه" ويجوز: " قعودٌ غلمانُه"

قاعدہ: صفت کبھی موصوف کا حال بیان کرتی ہے، کبھی موصوف سے تعلق رکھنے والی کسی چیز کا، جیسے جاء نی رجل عالم: اس میں عالم نے موصوف رجلٌ کی حالت بیان کی ہے، اور مررتُ برجلٍ حَسَنٍ غلامُه: میں صفت حسن غلامُه نے موصوف رجل کے غلام کی حالت بیان کی ہے۔ اول کو صفت بحال موصوف اور ثانی کو صفت بحالِ متعلقِ موصوف کہتے ہیں ـــــ صفت بہ حالِ موصوف دس باتوں میں موصوف کے مطابق ہوتی ہے، مگر بیک وقت ان میں سے صرف چار باتیں پائی جاتی ہیں۔ وہ دس باتیں یہ ہیں: معرفہ ہونا، نکرہ ہونا، مذکر ہونا، مؤنث ہونا، مفرد ہونا، تثنیہ ہونا، جمع ہونا، مرفوع ہونا، منصوب ہونا اور مجرور ہونا (اول دو میں سے ایک، ثانی دو میں سے ایک، ثالث ورابع تین تین میں سے ایک ایک بات پائی جائے گی) ـــــ اور صفت بحالِ متعلقِ موصوف پانچ باتوں میں موصوف کے مطابق ہوتی ہے۔ اور بیک وقت ان میں سے دو باتیں پائی جاتی ہیں۔ وہ پانچ باتیں یہ ہیں: تعریف وتنکیر اور رفع ونصب وجر ـــــ باقی پانچ باتوں میں صفت فعل کے مشابہ ہوتی ہے، یعنی فعل کے جو حالات فاعل کے اعتبار سے ہیں وہی حالات صفت کے اس کے فاعل کے اعتبار سے ہوتے ہیں۔ جیسے جاء رجل قائم أبوه، اور جاء ت امرأة قائم أبوها۔

تفریع: (الف) جب صفت بحالِ متعلق موصوف باقی پانچ باتوں میں فعل کے مثل ہوتی ہے تو قام رجل قاعد غلمانُه اچھی ترکیب ہے، کیونکہ رجل مفرد ہے اور اس کی صفت قاعد بھی مفرد ہے۔ اور جاء رجل قاعدون غلمانه: ضعیف ترکیب

ہے، کیونکہ اس میں موصوف کی رعایت نہیں کی گئی بلکہ غلمانہ کی رعایت کی گئی ہے، البتہ جاء رجل قعود غلمانُہ: ٹھیک ترکیب ہے، نہ اچھی ہے نہ بری، کیونکہ قعود جمع تکسیر ہے اور جمع تکسیر مفرد کے حکم میں ہوتی ہے۔

ترجمہ: (قاعدہ) اور صفت لائی جاتی ہے موصوف کی حالت کے ساتھ اور موصوف سے تعلق رکھنے والی چیز کی حالت کے ساتھ............ پس اول موصوف کی پیروی کرے گی اعراب میں، تعریف وتنکیر میں، افراد وتثنیہ اور جمع میں اور تذکیر وتانیث میں ـــــــ اور ثانی: اس کی پیروی کرے گی پہلی پانچ باتوں میں اور باقی باتوں میں وہ فعل کی طرح ہے ـــــــ اور اس جگہ سے قام رجل قاعد غلمانہ اچھی ترکیب ہے اور قاعدون غلمانہ کمزور ترکیب ہے اور عقود غلمانہ جائز ہے۔

[قاعدة] والمُضْمَرُ لايُوْصَفُ، ولا يوصفُ به.(۱)

[قاعدة] والموصوفُ أَخَصُّ، أو مُسَاوٍ: ومن ثَمَّ: لم يوصَفْ ذو اللام إلا بمثله، أو بالمضاف إلى مثله.(۲)

[فائدة] وإنما الْتُزِمَ وصف بابِ: "هذا" بذى اللام: للإبهام؛ ومن ثَمَّ: ضَعُفَ: "مررتُ بهذا الأبيض" وحَسُنَ: "بهذا العالم"(۳)

(۱) قاعدہ: ضمیر نہ موصوف ہوتی ہے نہ صفت، موصوف اس لئے نہیں ہوتی کہ ضمیر متکلم ومخاطب اعرف المعارف ہیں اور توصیف کا مقصود تعریف ہے، جس کی ان کو حاجت نہیں اور ضمیر غائب طرداً للباب موصوف نہیں ہوسکتی ـــــــ اور ضمیر صفت اس لئے نہیں ہوسکتی کہ وہ صرف ذات پر دلالت کرتی ہے، حالت پر دلالت نہیں کرتی۔

(۲) قاعدہ: موصوف کو صفت سے اخص یا مساوی ہونا چاہئے، تاکہ تابع کی

متبوع پر فوقیت لازم نہ آئے چنانچہ معرف باللام کی صفت معرف باللام آئے گی یا معرف باللام کی طرف مضاف آئے گی، جیسے جاء نی الرجلُ الفاضلُ اور جاء نی الرجلُ صاحبُ الفرس۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ معرف باللام اقسام معرفہ میں کم تر ہے، پس اگر اس کی صفت دیگر معارف کے ساتھ لائی جائے گی تو تابع کی متبوع پر فوقیت لازم آئے گی۔ اور معرف باللام اور مضاف الی المعرف باللام دونوں رتبہ میں برابر ہیں۔ اس لئے ان کے ذریعہ صفت لائی جاسکتی ہے۔

(۳) فائدہ: معرف باللام کی صفت معرف باللام بھی آتی ہے اور مضاف الی المعرف باللام بھی، مگر اسم اشارہ کی صفت صرف معرف باللام آتی ہے، مضاف الی المعرف باللام نہیں آتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ هذا میں ابہام ہے، اس ابہام کو معرف باللام دور کرسکتا ہے۔ اور جو اسم معرف باللام کی طرف مضاف ہو اس میں خود ابہام ہوتا ہے اور وہ اپنا ابہام اضافت کے ذریعہ دور کرتا ہے، پھر وہ دوسرے کا ابہام کیسے دور کرسکتا ہے؟ —— بلکہ اگر معرف باللام بھی اسم اشارہ کا ابہام پوری طرح دور نہ کرسکے تو اس کو بھی صفت بنانا ضعیف ہے، جیسے مررتُ بهذا الأبيض، معلوم نہیں ابیض کون ہے؟ انسان ہے، جانور ہے یا کوئی اور چیز ہے؟ البتہ اگر ابہام دور ہو جائے تو اس کو صفت بنانا درست ہے جیسے مررتُ بهذا العالم۔ العالم نے بالکلیہ ابہام دور کردیا کہ وہ انسان ہے اور بڑا آدمی ہے۔

ترجمہ: قاعدہ: اور ضمیر نہ موصوف بنائی جاتی ہے اور نہ اس کے ذریعہ صفت لائی جاتی ہے —— قاعدہ: موصوف اخص یا مساوی ہوتا ہے اور اس جگہ سے معرف باللام صفت نہیں لایا جاتا مگر اس کے مانند کے ذریعہ یا اس کے مانند کی طرف مضاف کے ذریعہ —— فائدہ: اور باب هذا یعنی اسم اشارہ کی صفت کا التزام کیا گیا ہے معرف باللام کے ساتھ: (اسم اشارہ میں) ابہام کی وجہ سے اور اسی جگہ سے ضعیف ہے: مررتُ بهذا الأبيض اور اچھا ہے: مررتُ بهذا العالم۔

[-٢] العطف

تابعٌ مقصودٌ بالنسبة مع متبوعه؛ ويَتَوَسَّطُ بينه وبين متبوعه أحد الحروف العشرة؛ وسيأتي؛ مثلُ: قام زيد وعَمْرٌو.

[قاعدة] وإذا عُطِفَ على المرفوع المتصلِّ: أُكِّدَ بمنفصل، مثلُ:" ضربتُ أنا وزيد"؛ إلا أن يقع فصلٌ: فيجوز تركه، مثلُ: "ضربتُ اليومَ وزيدٌ" (١)

[قاعدة] وإذا عُطِفَ على الضمير المجرور: أُعيد الخافضُ، نحوُ: " مررتُ بك وبزيد" (٢)

[قاعدة] والمعطوف فى حكم المعطوف عليه؛ ومن ثَمَّ: لم يَجُزْ فى: " مازيدٌ بقائم– أو قائماً– ولا ذَاهِبٌ عَمْرٌو" إلا الرفع.(٣)

[فائدة] وإنما جاز:" الذى يَطِيْرُ فَيَغْضَبُ زيدٌ الذُّبَابُ": لأنها فاء السببية.(٤)

[قاعدة] وإذا عُطِفَ على عامِلَيْنِ مختَلِفَيْنِ: لم يَجُزْ، خلافاً للفَرَّاءِ، إلا فى نحو: "فى الدار زيدٌ والحجرةِ عَمْرٌو"، خلافاً لسيبويه.(٥)

عطف کا بیان

عطف (معطوف): وہ تابع ہے جو اپنے متبوع کے ساتھ نسبت میں مقصود ہو یعنی نسبت سے مقصود تابع و متبوع دونوں ہوں، جیسے جاء زید وعمرو اس میں آنے کی نسبت معطوف اور معطوف علیہ دونوں کی طرف ہے۔

معطوف و معطوف علیہ کے درمیان دس حروف عطف میں سے کوئی حرف آنا ضروری ہے (حروف عطف کا بیان بحث حروف میں آئے گا)

(۱) قاعدہ: ضمیر مرفوع متصل پر عطف کرنے کے لئے فصل ضروری ہے، خواہ ضمیر منفصل کا فصل ہو یا کسی اور چیز کا جیسے ضربتُ أنا وزید: میں نے اور زید نے مارا اور ضربتُ الیومَ وزید: آج میں نے اور زید نے مارا۔

(۲) قاعدہ: ضمیر مجرور پر عطف کرنے کے لئے حرف جر کا اعادہ ضروری ہے، جیسے مررتُ بك وبزید (اور اگر ضمیر مضاف کی وجہ سے مجرور ہو تو عطف کرتے وقت مضاف کا اعادہ ضروری ہے، جیسے نزل زید فی بیتی وبیتِ خالد)

(۳) قاعدہ: معطوف: معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے یعنی جو بات معطوف علیہ میں جائز یا ناجائز ہے وہی معطوف میں بھی جائز یا ناجائز ہے، جیسے ما زیدٌ بقائمٍ ولا ذاهبٌ عمرٌو اور ما زید قائما ولا ذاهبٌ عمرٌو میں صرف رفع جائز ہے۔ جر اور نصب جائز نہیں۔ کیونکہ جر یا نصب کی صورت میں قائم یا قائماً پر عطف ہوگا اور وہ زید کی خبر ہوگا جیسا کہ معطوف علیہ میں اس کی خبر ہے، اور یہ بات ممکن نہیں، کیونکہ معطوف علیہ میں قائم میں ضمیر ہے جو زید کی طرف لوٹتی ہے اور معطوف میں ایسی کوئی ضمیر نہیں جو زید کی طرف لوٹے، اس لئے ذاهب: زید کی خبر نہیں ہوسکتا، پس لامحالہ ذاهب کو خبر مقدم اور عمرو کو مبتدا مؤخر بنانا ہوگا۔ اور جملہ کا جملہ پر عطف ہوگا۔

(۴) فائدہ: یہ مذکورہ قاعدہ پر اعتراض کا جواب ہے۔ عرب کہتے ہیں: الذی یَطیر فیغضَب زیدٌ الذبابُ: وہ چیز جس کے اڑنے سے زید کو غصہ آتا ہے وہ مکھی ہے۔ اس میں الذی موصوف ہے اور یطیر میں ضمیر ہے جو الذی کی طرف لوٹتی ہے اور فاء عاطفہ ہے اور یغضَب میں الذی کی طرف لوٹنے والی کوئی ضمیر نہیں، پھر یہ ترکیب کیسے درست ہوئی؟ جواب یہ ہے کہ یہ فاء عطف کے لئے نہیں ہے بلکہ سببیت کے لئے ہے اور وہ قاعدہ عطف کے لئے تھا، فاء سببیہ کے لئے نہیں تھا۔

(۵) قاعدہ: دو مختلف عاملوں کے دو معمولوں پر ـــــ خواہ ان کا اعراب متفق ہو یا مختلف ـــــ عطف کرنا جمہور کے نزدیک جائز نہیں، جیسے إنَّ زیداً ضرب عمراً،

وبکراً خالداً: اس میں بکراً کا عطف زیداًپر ہے جو إنَّ کا اسم ہے اور خالداً کاعطف عمراً پر ہے جوضرب کا مفعول ہےاورحرف عطف ایک ہے یہ جمہور کے نزدیک جائزنہیں۔

فراءاس میں اختلاف کرتے ہیں، وہ اس عطف کو جائز کہتے ہیں۔اوروہ فی الدارِ زیدٌ والحجرةِ عمرٌو سے استدلال کرتے ہیں۔اس میں الدار کا عامل فی ہےاور زیدٌ کا عامل ابتداء ہےاور الحجرة کا عطف الدار پر ہےاور عمرو کازید پر، اوراس مثال سے مراد یہ ہے کہ پہلا معمول مجرور ہواوردوسرا معمول مرفوع یا منصوب ہوتو اس کو جمہورخلاف قیاس جائز کہتے ہیں —— اورسیبویہ اس کوبھی ناجائز کہتے ہیں،وہ الحجرة سے پہلے فی مقدر مانتے ہیں اور جملہ کا جملہ پرعطف کرتے ہیں۔

ترجمہ:(۲) عطف: وہ تابع ہے جونسبت سے مقصود ہو اس کے متبوع کے ساتھ۔اس کےاوراس کے متبوع کے درمیان آتا ہے دس حروف میں سے ایک۔اور عنقریب آئیں گے وہ —— (قاعدہ) اور جب ضمیر مرفوع متصل پرعطف کیا جائے تو ضمیر منفصل کے ذریعہ تاکید لائی جائے گی ....مگر یہ کہ فصل واقع ہوتو تاکید کا چھوڑنا جائز ہے —— (قاعدہ) اور جب ضمیر مجرور پرعطف کیا جائے تو حرفِ جرکولوٹایا جائے گا —— (قاعدہ) اورمعطوف:معطوف علیہ کےحکم میں ہوتا ہے۔اسی جگہ سے جائزنہیں ہےمازید بقائم (قائما) ولا ذاهب عمرو میں مگررفع —— (فائدہ) اورالذی یطیر إلخ صرف اس وجہ سے جائز ہے کہ فاءفائےسببیت ہے —— (قاعدہ) اور جب دومختلف عاملوں پرعطف کیا جائے تو جائزنہیں برخلاف فراء کے،مگرفی الدار إلخ جیسی مثال میں، برخلاف سبیویہ کے۔

[٣-] التاكيد

تابعٌ يُقَرِّرُ أَمْرَ المتبوع: فی النسبة، أو فی الشمول.

وهو: لفظی ومعنوی:[1]

فاللفظي: تكريرُ اللفظِ الأولِ، نحوُ: جاء ني زيدٌ زيدٌ؛ ويجرى في الألفاظ كلِّها.

والمعنوى: بألفاظ محصورة:

وهى:نفسُه، وعينُه، وكلاهما، وكلُّه، وأجمعُ، وأَكْتَعُ، وأَبْتَعُ، وأَبْصَعُ.

فالأولان: يَعُمَّانِ: باختلاف صيغتِهما وضميرِهما، تقول: نفسه، ونفسها، وأنفسُهما، وأنفسهم، وأنفسهن.

والثاني: للمثنى، تقول: كلاهما، وكلتاهما.

والباقي: لغير المثنى: باختلاف الضمير: في كله، وكلها، وكلهم، وكلهن، والصِّيَغِ في البواقي، تقول: أجمعُ، وجَمْعَاء، وأجمعون، وجُمَعُ.

تاکید کا بیان

تاکید: وہ تابع ہے جو فعل کی نسبت کو یا حکم کے شمول کو ایسا پختہ کرے کہ سامع کو شک باقی نہ رہے، جیسے جاء زیدٌ نفسُه: زید خود آیا۔ اس میں آنے کی جو نسبت زید کی طرف کی گئی ہے اس میں یہ احتمال تھا کہ شاید خود نہ آیا ہو، بلکہ اس کا قاصد آیا ہو، یا اس کی اطلاع آئی ہو، نفسُہ نے اس احتمال کو ختم کر دیا ـــــــ اور جاء الرکبُ کلُّھم: قافلہ سارا آیا۔ اس میں جو آنے کا حکم قافلہ پر لگایا گیا ہے اس میں یہ احتمال تھا کہ شاید پورا قافلہ نہ آیا ہو، اور حکم اکثر افراد کے اعتبار سے لگایا گیا ہو، کلُّھم نے اس احتمال کو ختم کر دیا۔

(۱) تاکید کی دو قسمیں ہیں: تاکید لفظی اور تاکید معنوی: تاکید لفظی: پہلے لفظ کو مکرر لانا ہے، جیسے جاء زید زید تاکید لفظی تمام الفاظ میں جاری ہوتی ہے، خواہ وہ اسماء

ہوں، افعال ہوں یا حروف ہوں اور خواہ وہ جملے ہوں یا مرکباتِ ناقصہ ـــــ اور تاکید معنوی: چند متعین الفاظ سے تاکید لانا ہے۔ اور وہ الفاظ: نفس، عین الخ ہیں۔

اول دو یعنی نفس اور عین نسبت کی تاکید معنوی کے لئے ہیں اور دونوں عام ہیں۔ مفرد، تثنیہ اور جمع سب کے لئے مستعمل ہیں۔ اور دونوں کی ایسی ضمیر کی طرف اضافت ضروری ہے جو مؤکَّد کے مطابق ہو، جیسے جاء زید نفسه/ عینُه اور جاء ت فاطمة نفسها/ عینُها، اور اگر موکَّد: تثنیہ جمع ہو تو نفس اور عین کی جمع أنفس اور أعین لائی جائے گی، جیسے جاء الزیدان أنفسهما، جاء الزیدون أنفسهم۔

اور شمول کی تاکید کے لئے چار لفظ ہیں: کِلاَ، کلتا کلّ اور جمیع (أجمع) جاء الزیدان کلاهما، جاء ت المرأتان کلتاهما. جاء القومُ کلهم/ جمیعهم/ أجمعین۔ اور کلاهما (مذکر کے لئے) کلتاهما (مؤنث کے لئے) ہے اور باقی تمام الفاظ غیر تثنیہ (واحد و جمع) کے لئے ہیں، البتہ ان کی ضمیریں بدلیں گی۔ اور لفظ جمیع مختلف صیغوں کے ساتھ آتا ہے جیسے أجمع وغیرہ (والصیغ کا عطف الضمیر پر ہے)

ترجمہ: تاکید: وہ تابع ہے جو متبوع کے معاملہ کو ثابت کرتا ہے نسبت میں یا شمول (عموم) میں ـــــ اور تاکید: لفظی اور معنوی ہے ـــــ پس لفظی: پہلے لفظ کو مکرر لانا ہے، جیسے جاء نی زید زید اور جاری ہوتی ہے تاکید لفظی سارے ہی الفاظ میں ـــــ اور تاکید معنوی: گنے ہوئے لفظوں کے ذریعہ ہے ـــــ اور وہ الفاظ: نفسه اور عینه الخ ہیں پس پہلے دو لفظ: دونوں عام ہیں ان دونوں کے صیغوں اور ضمیروں کے اختلاف (بدلنے) کے ساتھ ـــــ اور دوسرا لفظ یعنی کلاهما (جب پہلے دو لفظوں کو أولان کہا تو اب تیسرے لفظ کو الثانی کہہ دیا) تثنیہ کے لئے ہے ـــــ اور باقی الفاظ: غیر تثنیہ (مفرد و جمع) کے لئے ہیں، ضمیر کے اختلاف کے ساتھ کله، کلها، کلهم اور کلهن میں اور صیغوں کے اختلاف کے ساتھ باقی الفاظ

میں، کہیں گے آپ (مذکر واحد میں) أجمع اور (مؤنث واحد میں) جمعاء اور (جمع مذکر میں) أجمعون اور (جمع مؤنث میں) جُمَعٌ۔

[قاعدة] ولا يؤكَّدُ بكلٍ وأجمعَ إلا ذوأجزاءَ يصحُّ افتراقُها: حِسًّا أوحكماً، مثلُ: أكرمتُ القومَ كلَّهم، واشتريتُ العبدَ كلَّه، بخلاف: جاء زيد كلُّه.(۱)

[قاعدة] وإذا أكِّدَ الضميرُ المرفوعُ المتصلُ بالنفس والعين: أُكِّدَ بمنفصل، مثلُ: ضربتَ أنتَ نفسُك.(۲)

[قاعدة] وأكتعُ وأخواه أتباعٌ لأجمعَ، فلا يتقدَّم عليه؛ وذكرها دونه ضعيف.(۳)

(۱) **قاعدہ**: لفظ کل اور أجمع کے ذریعہ ایسی چیز کی تاکید لائی جائے گی جس کے ایسے اجزاء ہوں جو حساً یا حکماً جدا جدا ہو سکتے ہوں۔ جیسے أكرمتُ القومَ كلَّهم (قوم کے اجزاء حساً جدا جدا ہو سکتے ہیں) اور اشتريتُ العبد كلَّه (غلام کے اجزاء حکماً جدا ہو سکتے ہیں یعنی آدھا پاؤ غلام خریدا جا سکتا ہے) پس جاء زيد كلُّه ناجائز ہے کیونکہ زید کے اجزاء نہ حساً ہو سکتے ہیں نہ حکماً۔

(۲) **قاعدہ**: جب ضمیر مرفوع متصل کی لفظ نفس اور عین کے ذریعہ تاکید لائی جائے تو اولاً اس کی ضمیر منفصل سے تاکید لائی جائے گی پھر نفس اور عین کے ذریعہ تاکید لائیں گے، جیسے ضربتَ أنتَ نفسُك اور ضربتُ أنا نفسی۔

(۳) **قاعدہ**: أكتع اور اس کے دو بھائی أبتع اور أبصع: أجمع کے تابع ہیں اس لئے اس سے پہلے نہیں آ سکتے اور اس کے بغیر ان کو ذکر کرنا ضعیف ہے، کہیں گے: جاء القوم أجمعُ أكتعُ/ أبتعُ/ أبصعُ۔

ترجمہ: (قاعدہ) اور كلّ اور أجمع کے ذریعہ تاکید نہیں لائی جائے گی مگر ایسے

اجزاء والی چیز کی جن کا جدا جدا ہونا صحیح ہو، محسوس طور پر یا حکمی طور پر ـــــ (قاعدہ) اور جب ضمیر مرفوع متصل کی نفس اور عین کے ساتھ تاکید لائی جائے تو ضمیر منفصل سے تاکید لائی جائے گی ـــــ (قاعدہ) اور أکتع اور اس کے دونوں بھائی أجمع کے دم چھلّے ہیں، پس وہ اس پر مقدم نہیں ہونگے اور ان کا ذکر کرنا أجمع کے بغیر ضعیف ہے۔

[٤-] البدل:

تابعٌ مقصودٌ بما نُسِبَ إلى المتبوع، دونه.

وهو: بدل الكل، والبعض، والاشتمال، والغلط:

فالأول: مدلولُه مدلولُ الأول.

والثاني: جزءُه.

والثالث: بينه وبين الأول بغيرهما.

والرابع: أن تَقْصِدَ إليه بعدَ أن غَلَطْتَّ بغيره.

[قاعدة] ويكونان معرفتين، ونكرتين، ومختلِفتين.

وإذا كان نكرةً من معرفة فالنعتُ، مثلُ: ﴿بِالنَّاصِيَةِ: نَاصِيَةِ كَاذِبَةٍ﴾(١)

[قاعدة] ويكونان ظاهرين، ومضمرين، ومختلفين.(٢)

[قاعدة] ولا يُبْدَلُ ظاهر من مُضْمَرٍ بدلَ الكل إلا من الغائب، نحو: ضربتُه زيداً.(٣)

بدل کا بیان

بدل: وہ دوسرا اسم ہے جو حقیقت میں مقصود ہوتا ہے۔ پہلا اسم مقصود نہیں ہوتا۔ پہلا اسم مبدل منہ کہلاتا ہے، جیسے سُلِبَ زیدٌ ثوبُہ: زید کا کپڑا چھینا گیا۔ اس میں

ثوبه بدل ہے اور وہی مقصود ہے، کیونکہ زید نہیں چھینا گیا بلکہ کپڑا چھینا گیا ہے۔

بدل کی چار قسمیں ہیں: بدل الکل، بدل البعض، بدل الاشتمال اور بدل الغلط :

(۱) بدل الکل: وہ بدل ہے جس کا مصداق اور مبدل منہ کا مصداق ایک ہو، جیسے جاء نی زید أخوك: اس میں زید اور أخوك کا مصداق ایک ہے۔

(۲) بدل البعض: وہ بدل ہے جو مبدل منہ کا جزء ہو، جیسے ضُرِبَ زید رأسُه: زید کے سر پر مارا گیا۔ سر زید کا جزء ہے اس لئے یہ بدل البعض ہے۔

(۳) بدل الاشتمال: وہ بدل ہے جس کے درمیان اور مبدل منہ کے درمیان کلیت وجزئیت کے علاوہ کوئی اور تعلق ہو۔ بالفاظ دیگر: بدل: مبدل منہ سے تعلق رکھنے والی کوئی چیز ہو، جیسے سُلِبَ زید ثوبُه: کپڑا زید سے تعلق رکھنے والی ایک چیز ہے۔

(۴) بدل الغلط: وہ بدل ہے جو غلطی ہو جانے کے بعد اس کی تلافی کے لئے لایا گیا ہو، جیسے اشتریتُ فرساً حماراً: میں نے گھوڑا خریدا نہیں گدھا۔ یعنی گھوڑے کا تذکرہ غلطی سے زبان پر آ گیا در حقیقت گدھا خریدا ہے۔

(۱) قاعدہ: کبھی بدل اور مبدل منہ دونوں معرفہ ہوتے ہیں، جیسے جاء نی زید أخوك، کبھی دونوں نکرہ ہوتے ہیں، جیسے جاء نی رجلٌ غلامٌ، کبھی دونوں مختلف ہوتے ہیں یعنی ایک نکرہ ہوتا ہے دوسرا معرفہ، جیسے بالناصية: ناصيةٍ كاذبةٍ: اس میں مبدل منہ معرفہ ہے اور بدل نکرہ اور جاء نی رجلٌ غلامُ زید: اس میں مبدل منہ نکرہ ہے اور بدل معرفہ ـــــــ اور جب بدل نکرہ اور مبدل منہ معرفہ ہو تو نکرہ کی نعت لانا ضروری ہے، جیسے ناصيةٍ كاذبةٍ۔

(۲) قاعدہ: کبھی بدل اور مبدل منہ دونوں اسم ظاہر ہوتے ہیں، جیسے جاء زید أخوك، کبھی دونوں ضمیر ہوتے ہیں، جیسے الزیدون لَقِیْتَهم إیاهم، اور کبھی مختلف ہوتے ہیں یعنی ایک اسم ظاہر ہوتا ہے اور دوسرا ضمیر، جیسے أخوك ضربتَ زیداً إیاه (مبدل منہ اسم ظاہر اور بدل ضمیر ہے) أخوك ضربته زیداً (مبدل منہ ضمیر اور بدل اسم ظاہر ہے)

(۳) قاعدہ: اسم ظاہر سوائے ضمیر غائب کے کسی اور ضمیر سے بدل الکل نہیں آتا۔ جیسے ضربتُه زیداً۔ اور ضمیر متکلم اور مخاطب سے اسم ظاہر بدل الکل اس لئے نہیں آتا کہ بدل: مبدل منہ کا عین ہوتا ہے اور اسم ظاہر بحکم ضمیر غائب ہوتا ہے۔ پس ضمیر متکلم ومخاطب بھی ضمیر غائب ہو جائیں گے وهو کما تری!

ترجمہ: بدل: وہ تابع ہے جو متبوع کی طرف منسوب کی ہوئی بات سے مقصود ہوتا ہے، مبدل منہ مقصود نہیں ہوتا۔ اور وہ بدل کل، بدل بعض، بدل اشتمال اور بدل الغلط ہے۔ پس پہلا یعنی بدل الکل: اس کا مدلول اول (مبدل منہ) کا مدلول ہے یعنی دونوں ایک ہوتے ہیں اور ثانی: اول کا جز ہوتا ہے۔ اور تیسرا: بدل کے درمیان اور اول (مبدل منہ) کے درمیان مذکورہ دونوں تعلقات کے علاوہ کوئی تعلق ہوتا ہے اور چوتھا: یہ ہے کہ آپ اس کا ارادہ کریں اس کے علاوہ کے ذریعہ غلطی ہو جانے کے بعد ـــــ (قاعدہ) اور ہوتے ہیں دونوں معرفہ اور دونوں نکرہ اور دونوں مختلف اور جب معرفہ سے نکرہ بدل واقع ہو تو صفت ضروری ہے ـــــ (قاعدہ) اور دونوں اسم ظاہر ہوتے ہیں اور دونوں ضمیریں ہوتے ہیں اور دونوں مختلف ہوتے ہیں ـــــ (قاعدہ) اور اسم ظاہر بدل کل نہیں لایا جاتا ضمیر سے مگر ضمیر غائب سے۔

[٥-] عطف البيان

تابعٌ غيرُ صفةٍ يوضح متبوعه، مثلُ: أَقْسَمَ باللّٰهِ أبو حفص عُمَرُ.

[فائدة] وفصلُه من البدل لفظاً فی مثل:" أنا ابنُ التاركِ البَكْرِيِّ بِشْرٍ "(۱)

عطف بیان کا بیان

عطف بیان: وہ دوسرا اسم ہے جو صفت نہ ہو اور پہلے اسم کی وضاحت کرے،

جیسے أَقْسَمَ باللہ أبو حفصٍ عمرُ: ابوحفص یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کی قسم کھائی اس میں عمر عطف بیان ہے ابوحفص کا (نام اور کنیت میں سے جو اشہر ہوگا اس کو عطف بیان بنایا جائے گا)

مثال کا واقعہ: ایک اعرابی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ کہنے لگا: ''میرا مکان دور ہے، میری اونٹنی لاغر ہے، اس کی پیٹھ زخمی ہے اور اس کے پیر میں سوراخ ہے، آپ مجھے ایک اونٹنی دیجئے!'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر فرمایا: ''تم جھوٹے ہو!'' اور اونٹنی دینے سے انکار کر دیا۔ اعرابی یہ سن کر چل دیا۔ وہ پتھریلی زمین میں اپنی اونٹنی کے پیچھے چل رہا تھا اور کہہ رہا تھا: أقسم باللہ أبو حفصٍ عَمْرُ÷ ما مَسَّها من نَقَبٍ ولا دَبَرْ÷ اِغْفِرْ له اللّٰهم إن كان فَجَرْ: ابوحفص حضرت عمرؓ نے اللہ کی قسم کھائی ÷ نہیں چھویا ہے اس کو کھروں کے زخم نے اور نہ پیٹھ کے زخم نے ÷ بخشش فرما ان کی اے اللہ! اگر انھوں نے جھوٹی قسم کھائی ہے! حضرت عمر رضی اللہ عنہ اتفاقاً اُدھر ہی سے آ رہے تھے آپ نے اس کے اشعار سن کر فرمایا: اللّٰهم صَدِّق! صدِّقْ! اے اللہ اس کو سچا کر دے! سچا کر دے! آپ نے اس سے کہا: اپنے اونٹ کا سامان اتار۔ دیکھا تو اس کی پیٹھ زخمی تھی اور وہ نہایت لاغر تھی۔ چنانچہ آپ نے اپنا اونٹ اس کو دے دیا اور کھانے پینے کا سامان بھی دیا اور کپڑے بھی دئے۔

(۱) فائدہ: عطف بیان اور بدل کے درمیان لفظی اور معنوی دونوں طرح سے فرق ہوتا ہے۔ معنوی فرق تو یہ ہے کہ بدل میں مقصود تابع ہوتا ہے، مبدل منہ مقصود نہیں ہوتا اور عطف بیان میں دونوں مقصود ہوتے ہیں اور عطف بیان اپنے متبوع کی وضاحت کرتا ہے۔ غرض معنوی فرق تو واضح ہے۔ البتہ دونوں میں لفظی فرق خفی ہے جو اس شعر سے واضح ہوتا ہے۔ مراد اسدی نے قبیلۂ بنی بکر کے ایک شخص کو جنگ میں قتل کیا جس کا نام بشر تھا۔ یہ قبیلہ بہادری میں مشہور ہے۔ مراد: فخر یہ کہتا ہے:

أنا ابنُ التارِكِ البَكرى بشرٍ ۞ عليه الطيرُ ترقبه وقوعاً
(میں اس شخص کا بیٹا ہوں جو قبیلۂ بنی بکر کے بشْر نامی بہادر شخص کو میدان کارزار میں قتل کر کے چھوڑ دینے والا ہے÷ اس حال میں کہ گوشت خور پرندے اس پر گرنے کا انتظار کررہے ہیں کہ اس کی روح بدن سے نکلے کہ اس کو کھائیں) اس میں بِشْر: البَکری کا عطف بیان ہے۔ بدل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ بدل میں عامل کی تکرار ضروری ہے پس عبارت ہوگی أنا ابن التارك بشر اور یہ ترکیب جائز نہیں، جیسے الضاربُ زیدٍ جائز نہیں اور عطف بیان میں عامل کی تکرار نہیں ہوتی پس ترکیب التارکُ البکری ہوگی اور وہ الضاربُ الرجل جیسی ہوگی جو جائز ہے۔

مشقی سوالات

(۱) مجرور کس کو کہتے ہیں؟ مضاف اور مضاف الیہ کی تعریف بیان کرو؟ حرف جر کی تقدیر کے لئے کیا شرط ہے؟

(۲) اضافت کی کتنی قسمیں ہیں؟ اضافت معنوی کی عربی تعریف سنائیں اور اضافت لفظی کی بھی عربی تعریف مع مثال سنائیں

(۳) اضافت معنوی میں کونسے حرف جر مقدر ہوتے ہیں؟ اور کہاں ہوتے ہیں؟ مثالیں بھی دیں

(۴) اضافتِ معنوی کا کیا فائدہ ہے؟ اور اضافت معنوی کے لئے کیا شرط ہے؟

(۵) اضافت لفظی کا کیا فائدہ ہے؟ اور اس پر جو تفریعات کی ہیں وہ بیان کریں

(۶) موصوف کی صفت کی طرف اور صفت کی موصوف کی طرف اضافت ہوتی ہے یا نہیں؟ اور جو وارد ہوئی ہیں ان کی کیا تاویل ہے؟

(۷) اسم عموم وخصوص میں اپنے مماثل کی طرف مضاف ہوتا ہے؟ اور اس میں سے کون مستثنیٰ ہیں؟

(۸) جب کسی اسم کی یائے متکلم کی طرف اضافت کی جائے تو اس کے آخر کے کیا احوال ہوتے ہیں؟ مع امثلہ بیان کرو

(۹) اسمائے ستّہ کی یائے متکلم کی طرف اضافت کی جائے تو انکے کیا احوال ہیں؟

(۱۰) ذو کا کیا حکم ہے؟ حم میں کتنی وجوہ ہیں؟ جب اسمائے ستّہ مقطوع الاضافہ ہوں تو ان کا اعراب کس طرح آئے گا؟

(۱۱) تابع کی عربی تعریف کریں اور بتائیں کہ کل توابع کتنے ہیں؟ اور کیا ہیں؟

(۱۲) نعت کی عربی تعریف سنائیں اور بتائیں کہ نعت کتنے مقاصد کے لئے آتی ہے؟

(۱۳) کیا نعت کے لئے مشتق ہونا ضروری ہے؟ اگر ضروری نہیں تو پھر کیا چیز ضروری ہے؟

(۱۴) جب نکرہ کی صفت جملہ خبریہ آئے تو کیا چیز ضروری ہے؟

(۱۵) صفت بحال الموصوف کس کو کہتے ہیں؟ اور اس کی موصوف کے ساتھ کتنی باتوں میں مطابقت ضروری ہے؟

(۱۶) صفت بحال متعلق موصوف کس کو کہتے ہیں؟ اور اس کی موصوف کے ساتھ کتنی باتوں میں مطابقت ضروری ہے؟

(۱۷) ضمیر موصوف یا صفت ہو سکتی ہے؟ اور موصوف کے لئے اخص یا مساوی ہونا کیوں ضروری ہے؟

(۱۸) اسم اشارہ کی صفت کیسی آسکتی ہے؟

(۱۹) عطف کی تعریف کریں اور بتائیں ضمیر مرفوع متصل پر عطف کرنے کے لئے کیا بات ضروری ہے؟ اور ضمیر مجرور پر عطف کرنے کے لئے کیا چیز ضروری ہے؟

(۲۰) معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ مثال سے واضح کریں

(۲۱) کیا دو مختلف عاملوں پر عطف جائز ہے؟ اور اس میں کیا اختلاف ہے؟

(۲۲) تاکید کی عربی تعریف سنائیں۔ تاکید کی کتنی قسمیں ہیں؟ تاکید معنوی کے لئے کیا الفاظ ہیں؟ اور ان کے استعمال کا طریقہ کیا ہے؟

(۲۳) کلّ اور أجمع سے کیسی چیز کی تاکید لائی جاتی ہے؟ اور ضمیر مرفوع متصل کی تاکید کے لئے کیا الفاظ لانے ضروری ہیں؟

(۲۴) أکتع، أبتع اور أبصع کے احکام بیان کریں

(۲۵) بدل کی عربی تعریف سنائیں۔ بدل کی کتنی قسمیں ہیں؟ ہر ایک کی تعریف مع امثلہ بیان کریں

(۲۶) بدل اور مبدل منہ دونوں معرفہ، دونوں نکرہ اور دونوں مختلف ہو سکتے ہیں ان کی مثالیں دیں

(۲۷) بدل اور مبدل منہ دونوں اسم ظاہر، دونوں ضمیریں اور دونوں مختلف ہو سکتے ہیں ان کی مثالیں دیں

(۲۸) اسم ظاہر کونسی ضمیر سے بدل آسکتا ہے؟ اور باقی سے کیوں نہیں آسکتا؟

(۲۹) عطف بیان کی تعریف بیان کریں اور اس کی مثال دیں اور اس کی وضاحت کریں

(۳۰) عطف بیان اور بدل میں لفظی فرق شعر سے واضح کریں اور شعر کی وضاحت کریں۔